رجسٹرڈ انگلش نمبر

رجسٹرڈ آصفیہ نمبر ۱۸۰

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

مملکت

ہفتہ وار

ایڈیٹر
میر حسن الدین بی اے ال ال بی (عثمانیہ)

شرح چندہ
سالانہ .... [illegible]
ششماہی .... [illegible]
سہ ماہی .... [illegible]

قیمت پرانا پرچہ [illegible]

قیمت فی پرچہ ۲ ر

جلد ۵	۵ مہر ۱۳۵۴ ف	۲ رمضان ۱۳۶۴ھ	۱۱ اگست ۱۹۴۵ء شنبہ	نمبر ۱

سان فرانسسکو کانفرنس نے دول عظمیٰ کی سامراجیت

کو مستحکم کر دیا!

چینی نمائندے مسٹر سونگ نے سان فرانسسکو کانفرنس میں اپنی افتتاحی تقریر میں تمام اقوام سے یہ اپیل کی تھی کہ وہ اپنے اقتدار اعلیٰ کے ایک جزو سے دست بردار ہو جائیں۔ لیکن قبل اس کے کہ یہ قومیں اپنے اقتدار کے کسی جزو سے دست بردار ہوتیں ان کے لئے ضروری تھا کہ محکوم اقوام کو اپنے تسلط سے آزاد کر دیتیں۔ لیکن اس کے برعکس سان فرانسسکو نے ان کے تسلط کو اور مستحکم کر دیا۔ اور بعض صورتوں میں انہیں نیا اقتدار دیا گیا۔ یورپ کی جنگ ختم ہو چکی ہے۔ اقوام متحدہ کی کانفرنس بھی ختم ہو گئی۔ اس کے اختتام کے بعد حاصل کیا ہوا؟ ورسائی کی ناانصافیاں ——— جن کی وجہ سے ان لوگوں کو تقویت حاصل ہوئی تھی جو اس عالمگیر جنگ برپا کرنے کا باعث ہوئے تھے ——— بدستور برقرار ہیں اور ایک نیا نظام معرض وجود میں آرہا ہے جو مزید ناانصافیوں پر مبنی ہے۔

فن لینڈ، لاٹویا، اور لتھونیا پر روس نے مکمل تسلط حاصل کر لیا ہے۔ پولینڈ کا تقریباً نصف روس کا ہو چکا ہے۔ پولینڈ کے باقی حصہ پر نیز رومانیہ، بلغاریہ، اور یوگوسلاویہ پر روس کا اثر قائم ہے۔ اگر اعتراض کیا جائے تو روس یہ جواب دے سکتا ہے کہ "صرف وہی شخص پتھر پھینکے جس نے گناہ نہیں کیا"۔ اور کوئی سامراجی طاقت روس کے اس اقدام پر اعتراض نہیں کر سکتی۔ ہر سامراجی طاقت اپنے حلقۂ اثر کو متعین کرنے اور اپنے مقبوضات کو برقرار رکھنے کا تہیہ کر چکی ہے۔ اس بات کی بھی توقع کی جا رہی ہے کہ مشرقی ایشیا کے باشندوں کو جو جاپان کے مقبوضہ علاقہ میں ہیں آزاد کرایا جائے گا اور انہیں ان کے سابقہ آقاؤں کے سپرد کر دیا جائے گا۔

اس طرح ورسائی کی ناانصافیاں جدید عالمی نظام میں بھی موجود ہیں۔ اقوام متحدہ نے تحفظ امن کی ایک کونسل بھی قائم کر دی ہے۔ اس کونسل کی موثر عمل پیرائی میں ایک چیز حائل ہوگی اور وہ یہ کہ باشندگان عالم کی ایک چھوٹی سی اقلیت موجودہ نظام کی حفاظت سے دلچسپی رکھتی ہے۔ موجودہ نظام کو سامراجی اقلیت تشفی بخش تصور کرتی ہے اور نوع انسان کی ایک بڑی اکثریت کو غیر مطمئن چھوڑ دیتی ہے۔ اس لئے کسی نظام کے تحفظ کے طریقے دریافت کرنے سے پہلے ضرورت اس کی ہے کہ ایک ایسا عالمی نظام تشکیل دیا جائے جو قابل تحفظ ہو۔

سان فرانسسکو میں فتح مند قوتوں کا اتحاد عمل میں آیا اور یہ طاقتیں ایک ایسے امن کا تحفظ چاہتی ہیں جو ان کے مفاد میں ہے۔ اقوام عالم دو کیمپ میں منقسم ہو کر دوسری عالمگیر جنگ کا باعث ہوئی تھیں۔ جو قومیں کہ فتح مند کیمپ میں داخل ہیں وہ اقوام متحدہ کہلاتی ہیں اور جو قومیں مقابل کے کیمپ میں تھیں یا غیر جانبدار تھیں وہ اقوام متحدہ کے دائرے سے باہر ہیں۔ ایسی قومیں بھی اپنی تمام کوتاہیوں کے باوجود دنیا میں ایک مقام کی مستحق ہیں۔ اگر ان کے حق کو نظر انداز کیا گیا تو یہ ایک تیسری جنگ کا پیش خیمہ ہوگا۔ دول عظمیٰ کی یہ کوشش کہ خود تو کرۂ ارض کے ایک بڑے حصہ پر قابض رہیں اور دنیا پر شرائط امن مسلط کریں کسی اعلیٰ اخلاقی معیار پر پوری نہیں اترتی۔ "تم دوسروں کے لئے اس چیز کو پسند نہ کرو جو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے" ایک ایسا اصول ہے جس کو اقوام اور افراد نظر انداز کرتے آئے ہیں۔ جب تک دول عظمیٰ اپنے لئے ایک معیار، محکوم ممالک کے دوسرا اور شکست خوردہ دشمن کے لئے ایک تیسرا مقرر کرتے رہیں گے قیام امن یا انسداد جنگ ممکن نہیں۔

اگرچہ کچھ عرصے کے لئے دول عظمیٰ کی متحدہ طاقت کے ذریعہ امن قائم بھی کر دیا گیا تو یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ کیا ایسا امن پسندیدہ ہے۔ معاشی استحصال اور قومی غلامی نوع انسان کو ویسا امن کے قیام سے مایوس کر دے گی۔ جب ہٹلر نے یورپ میں نازک صورت حال پیدا کر دی تھی تو کسی نے بھی جمعیت اقوام سے رجوع کرنے کا خیال نہیں کیا۔ اسی طرح اگر دول عظمیٰ میں سے کوئی ایک دول نازک صورت حال پیدا کر دے تو شاید کسی کو بھی اقوام متحدہ کی اسمبلی اور تحفظ امن کی کونسل کا خیال نہیں آئے گا۔ صرف ایسا عالمی نظام ہی تحفظ

بقیہ سلسلہ صفحہ (۱۱)

مملکت
ہفتہ وار

جلد ۵	۵ مہر ۱۳۵۷ف	نمبر ۱۷

جامعہ عثمانیہ کا نیا دور

ایک عرصہ سے یہ شکایت عام تھی کہ جامعہ عثمانیہ میں طلبہ کے داخلہ کی سہولتیں مفقود ہیں اور ارباب جامعہ تحدید کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ اس پالیسی کا نتیجہ یہ مترتب ہو رہا تھا کہ کم استطاعت طلبہ اعلیٰ تعلیم سے محروم ہو رہے تھے اور جن میں استطاعت تھی وہ تکمیل تعلیم کے لئے ہندوستان کی جامعات میں شریک ہونے کے لئے حیدرآباد سے باہر جا رہے تھے۔ مگر اس سال جامعہ کی عالیہ میقات کے افتتاح کے بعد اس دیرینہ شکایت کو رفع کرنے کے لئے پوری توجہ مبذول کی گئی اور اعلیٰ تعلیم کی سہولتوں میں وسعت اور تعلیمی انتظامات میں مزید توسیع عمل میں لائی جا رہی ہے۔ چنانچہ مدرسہ فوقانیہ دارالعلوم کو انٹرمیڈیٹ کالج بنایا جا رہا ہے اور اسی طرح سٹی کالج، چادرگھاٹ کالج، اور دارالعلوم کالج میں طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے مدنظر مزید پانچ نشستوں کا انتظام ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ اورنگ آباد، ورنگل اور گلبرگہ کے کالجوں کی توسیع کا مسئلہ بھی پیش نظر ہے۔ یہ ایک ایسا اصلاحی اقدام ہے جو اہل ملک کے لئے باعث طمانیت ہے اور جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ارباب جامعہ نظام تعلیم کو ملک کے بدلتے ہوئے حالات سے ہم آہنگ کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔

یہ خبر بھی خوش آئند ہے کہ جامعہ عثمانیہ کے لئے (۱۰) وظائف منظور کئے جا رہے ہیں تاکہ جامعہ کے ممتاز طلبہ بیرون حیدرآباد تعلیم و تربیت حاصل کریں۔ اخبارات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس سال جامعہ کے اساتذہ اور عملہ کے لئے رہائشی مکانات، ایک مزید اقامت خانہ اور کھیل کے میدان تیار کئے جائیں گے۔ جامعہ کے اساتذہ کے کلب کو جو اس وقت عابد نگر میں ہے حدود جامعہ میں منتقل کیا جائے گا۔ ان انتظامات سے ہمیں یقین ہے کہ اساتذہ اور طلبہ میں وہ ربط قائم ہو جائے گا جس کی ضرورت کی جانب ہم بارہا توجہ دلا چکے ہیں۔ یہ تجویز بھی نہایت مناسب ہے کہ کلیہ اناث کے لئے جامعہ کے حدود سے علیحدہ کسی موزوں مقام پر زمین حاصل کی جائے۔

اصلاحات کی اس رفتار سے ظاہر ہو رہا ہے کہ جامعہ سے وہ ساری بدعنوانیاں رفع ہو جائیں گی جن پر مقامی اخبارات میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ جامعہ کے اس نئے دور کے خوش آئند اور امید افزا آغاز پر ہم نواب علی یاور جنگ بہادر حسین امیر جامعہ کو مبارکباد دیتے ہیں ہمیں یقین ہے کہ آپ کے دور میں جامعہ علمی دنیا میں اپنا صحیح مقام اور حقیقی عظمت حاصل کرے گی۔

حیدرآباد سے متعلق برطانوی ہند کے ایک جریدہ نگار کے تاثرات

گزشتہ ہفتہ برطانوی ہند کے ایک جریدہ نگار مولوی حسن محی الدین صاحب عباسی بلدہ تشریف لائے تھے۔ اثنائے گفتگو میں ہم نے موصوف سے دریافت کیا کہ حیدرآباد کی اجتماعی زندگی، اس کے نظم و نسق، اور اس کی تہذیب و معاشرت کے کیسے پہلو ہیں، جو موصوف کی نظر میں قابل اصلاح یا قابل ستائش ہیں۔ عباسی صاحب نے اس سوال کے جواب میں جو تاثرات ظاہر کئے انہیں ہم اپنے قارئین تک پہنچا دینا چاہتے ہیں۔

موصوف نے کہا کہ وہ گزشتہ پندرہ برس سال سے حیدرآباد آتے رہے ہیں اور سب سے پہلی بات جو انھوں نے محسوس کی یہ تھی کہ حیدرآباد سے متعلق برطانوی ہند میں بہت سی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ مثلاً یہ اصطلاح برطانوی ہند میں عام ہے کہ حیدرآباد میں مطلق العنان راج ہے لیکن یہاں آنے پر معلوم ہوتا ہے کہ حیدرآباد میں نظم و نسق اور عام کاروکردگی کا جو معیار ہے وہ برطانوی ہند کے اکثر صوبوں سے بلند ہے۔ اگرچہ کاغذ پر حیدرآباد کی حکومت عوامی طرز کی حکومت نہیں ہے لیکن عملاً اور معناً حیدرآباد کی حکومت کا ہر عمل غیر سرکاری اہل الرائے کے مشورہ سے اور عوام کے مفاد میں ہوتا ہے۔ برطانوی ہند میں کاغذ پر ایک ایسی حکومت نظر آتی ہے جس میں عوام کا عمل دخل ہے لیکن عملاً وہاں فولادی قسم کی حکومت رائج ہے۔ عباسی صاحب نے اپنے اس نظریہ کی توضیح اس مثال سے کی کہ مرکزی مقننہ میں اگر موازنہ متعدد بار نامنظور ہو بھی جائے تو تب بھی وائسرائے بہادر اپنا اختیار توثیق استعمال کر کے موازنہ منظور کر دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف حیدرآباد کا موازنہ مالیات کی آئینی مجلس مشاورت میں پیش ہوتا ہے اور رائے عامہ کی روشنی میں ضروری ترمیمات اور حذف و اضافہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح دوسرے محکموں کی اہم اور بنیادی تجاویز سے متعلق بھی یہی عمل ہوتا ہے۔ حیدرآباد کے نظم و نسق کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک غیر جانبدار شخص اسی نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ اگر حیدرآباد میں اصطلاحی اعتبار سے ذمہ دارانہ حکومت ہوتی تو وہ بھی یہی کرتی جو حکومت حیدرآباد کر رہی ہے۔ عباسی صاحب کی رائے ہے کہ ہندوستان کی بہت کم حکومتیں رائے عامہ کو اتنی اہمیت دیتی ہیں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ نواب بہادر یار جنگ مرحوم کو حکومت سے یہ شکایت تھی کہ وہ شورش پسندوں سے مرعوب ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ حکومت سنجیدہ رائے عامہ سے استفادہ کرتی ہے۔

عباسی صاحب نے کہا کہ جنگ کے دوران میں وہ کلکتہ، دہلی، لکھنؤ، پٹنہ، اور برطانوی ہند کے دیگر شہروں میں کافی مدت کے لئے مقیم رہے ہیں غذا اور دیگر اشیائے ما یحتاج کے حصول کے لئے وہاں کے باشندوں کو انھوں نے جس درجہ سرگرداں اور پریشان دیکھا وہ مناظر حیدرآباد میں دکھائی نہیں دئے حالانکہ اس دوران میں وہ دو تین بار یہاں آچکے ہیں۔ بلکہ معترضین کے آپ نے کہا کہ وہ نہیں جانتے کہ حیدرآباد کے باشندے خاموشی کے ساتھ اپنے مصائب برداشت کرنے کے عادی ہیں یا انہیں ہر چیز آسانی سے مل جاتی ہے۔ بہرکیف انھوں نے ایسے ناگوار مناظر یہاں نہیں دیکھے جو کلکتہ، دہلی، پٹنہ وغیرہ میں دکھائی دیے۔ اس کی وجہ ان کے خیال میں شاید یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حیدرآباد نے اپنے انتظامات رسد میں امداد باہمی کے اصول کو کامیابی کے ساتھ منطبق کیا۔

ایک بات انھوں نے یہ بھی کہی کہ جب کبھی وہ حیدرآباد آتے ہیں تو وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ سکون و جمود کی فضا میں پہنچ گئے ہیں جہاں انہیں ہر طرف قناعت اور اطمینان سے

نظر آتے ہیں جن کو یہاں کی سواریاں بھی نہیں ستیں۔ دفاتر نظر آتی ہیں۔ موصوف کو اس کا علم نہیں کہ تنظیم مابعد جنگ کی اسکیموں میں حمل و نقل کی سہولتوں کو کیا مقام دیا گیا ہے لیکن وہ محسوس کرتے ہیں کہ مسئلہ حکومت کی فوری توجہ کا مستحق ہے۔ حیدرآباد ہندوستان کا چوتھا شہر ہے اور بے تحاشا بڑھتا چلا جا رہا ہے ایک نووارد کے لئے ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہونچنا بہت دشوار ہے۔ بس سروس کی وسعت اور ٹرام وے لائنس کے قیام پر غور کرنا ضروری ہے۔

ایک اور بات جو عباسی صاحب نے محسوس کی یہ تھی کہ سرکاری دفاتر منتشر ہیں۔ اور ہر سڑک اور ہر گلی میں ایک آدھ سرکاری دفتر کا بورڈ نظر آجاتا ہے۔ ہونا یہ چاہئے تھا کہ ایک ایسی وسیع عمارت تیار کی جاتی جہاں زیادہ سے زیادہ سرکاری دفاتر یکجا ہو سکتے تاکہ رعایا کو بھی سہولت ہو اور سرکاری کاروبار بھی سرعت کے ساتھ انجام پائیں۔

سب سے اہم بات جو باہر سے آنے والے کو یہاں نظر آتی ہے یہ ہے کہ یہاں لباس اور گفتگو سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ مخاطب ہندو ہے یا مسلمان۔ ان دونوں قوموں کے باہمی تعلقات جس درجہ حیدرآباد میں خوشگوار نظر آتے ہیں وہ برطانوی ہند میں مفقود ہیں۔

جہاں تک بود و باش اور رہائش کا تعلق ہے عباسی صاحب کا خیال ہے کہ حیدرآباد ہندوستان کا ارزاں ترین شہر ہے۔ یہاں ہر چیز نسبتاً سستی ملتی ہے۔ متوسط طبقے کے لوگوں کے لئے حیدرآباد مختلف اعتبارات سے بہتر جگہ ہے۔

قدرت نے معاشی وسائل کی حد تک حیدرآباد کے ساتھ کوئی بخل نہیں کیا۔ یہاں کی زرعی پیداوار، معدنی وسائل، دو بڑی ندیوں کا وجود، برقی قوت کی تولید کے امکانات، کوئلہ کی کانیں اور مزروعہ کی جنگلات یہ ایسی نعمتیں ہیں جن سے استفادہ کر کے حیدرآباد کو ہندوستان کا ایک زبردست صنعتی ملک بنایا جا سکتا ہے۔ تعجب ہے کہ ان وسائل سے کما حقہ استفادہ نہیں کیا گیا۔ حالانکہ میسور کی مثال سامنے موجود ہے۔

حیدرآباد خوش نصیب ہے کہ اس کو ایک ایسے بالغ نظر حکمراں کا سایۂ عاطفت میسر ہے جو اپنی ہمہ گیر قابلیت، عالی ہمتی، طبیعت کی سادگی اور رعایا نوازی کے لحاظ سے ہندوستان بھر میں اپنی آپ نظیر ہے۔ حیدرآباد والوں کو شاید اس بات کا صحیح اندازہ نہیں کہ اہل ہند کے قلوب میں شہریار دکن کی نسبت کس درجہ عمیق اور پر خلوص جذبات احترام و عقیدت موجزن ہیں۔ عباسی صاحب کہتے ہیں کہ انھوں نے دہلی اور کلکتہ کے وہ مناظر دیکھے ہیں جبکہ بلا لحاظ مذہب و ملت وہاں کے باشندے عقیدت کو صرف ایک نظر دیکھنے کے لئے بیتاب نظر آتے تھے۔ موصوف کی رائے ہے کہ حیدرآباد کو چاہئے کہ حضور پر نور کی قیادت اور سیادت سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر اپنے سیاسی و معاشی رتبہ کو بلند کر لیں۔

بالآخر عباسی صاحب نے کہا کہ مستقبل قریب میں سارا ہندوستان سیاسی و معاشی انقلابات سے دوچار ہوگا اگر حیدرآباد ان انقلابات میں اپنا صحیح مقام پیدا نہ کر سکے تو یہ اس کی کوتاہ نظری ہوگی۔

مہاراشٹرا پریشد کے لئے ایک لمحۂ فکر

از

جناب راؤ پٹیل ہنگر گے کر تلجاپور

قبل اس کے کہ مہاراشٹرا پریشد کے کارکنوں کے تعمیری پروگرام کے متعلق اپنا نقطۂ نظر پیش کروں میں پبلک پر یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نہ ہندو مہاسبھا کا حامی ہوں نہ کانگریس کا طرفدار اور نہ کمیونسٹ پارٹی کا دوست اور نہ کسی ادارے یا فرد سے مجھے کوئی ذاتی عناد یا کدورت ہے بلکہ میں ان چند تلخ حقائق کو طشت از بام کرنا چاہتا ہوں جن کی بنا پر عوام اپنی لاعلمی سے موجودہ پبلک کارکنوں کو ملک کا صحیح رہنما تصور کر رہے ہیں۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ مہاراشٹرا پریشد کا گروپ چند انتہا پسند کانگریس سوشلسٹ اور بعض قدامت پسند نیشنلسٹ پر مشتمل ہے لیکن تعجب ہے کہ ان کا نصب العین ایک ہے یعنی خاندان آصفیہ کے زیر سایہ ذمہ دارانہ حکومت کا قیام لیکن باشعور طبقہ جانتا ہے کہ ذمہ دارانہ حکومت خاندان آصفیہ کے زیر سایہ چہ معنی دارد۔ بھولے عوام کو حکومت کے خلاف بھڑکانا اور متضاد بیانات سے اپنی قیادت کے پودے کو پروان چڑھانا ملک کی صحیح خدمت تصور نہیں کی جا سکتی۔ پریشد کے کارکن دیہاتی باشندوں کی تعلیمی، معاشی اور سماجی زندگی میں نئی روح نہ پھونک سکے۔ ایک طرف ذخیرہ بازوں اور نفع اندوزوں کے انسانیت سوز طرز عمل کے خلاف قرارداد منظور کی اور دوسری طرف قانون انتقال اراضی کو منسوخ کرنے کے لئے اورنگ آباد کی پریشد میں ایک قرارداد پیش کرنے کی کوشش کی گئی لیکن پریشد کے ایسے ارکان کی مخالفت کی وجہ سے جن کا تعلق کسان طبقہ سے تھا کھلے اجلاس میں یہ قرارداد پیش نہ کی جا سکی۔ اس ادارے نے کسانوں اور مزدوروں کی بہبودی بھی پیش نظر رکھی ہے اور سرمایہ داروں کا مفاد بھی لیکن یہاں ساری تحریکات سرمایہ داروں کی گود میں جنم لیتی ہیں۔ اس کمزوری کی بنیاد ہمارے سماج کا وہ طبقہ ہے جس کو دیہاتی ماحول اور ان کی ضروریات زندگی کا بہت کم علم ہوتا ہے لیکن ایسے افراد کو جن کا وجود عوام کے مفاد کے منافی ہی کیوں نہ ہو پریشد کا صدر اور معتمد بنا لیا جاتا ہے اور عام طور پر حکومت اور عوام پر یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ یہ عوام کی تحریک ہے اور ہر موقع پر پریشد کا وزن ہے لیکن اس کی حقیقت سے وہی ارکان خوب واقف ہیں جنھوں نے پریشد کے مختلف اجلاسوں کی میٹنگوں کو قریب سے دیکھا ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہر اجلاس میں ہریجنوں کی بہبودی میں قراردادیں منظور کی گئیں اور ان کو تعمیری پروگرام کا جزو لاینفک قرار دیا گیا لیکن ہریجنوں کو نہ تو باولیوں پر آنے کی اجازت ہے اور نہ اعلیٰ ذات کے لوگ قبول ہی کر سکتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج پست اقوام اپنے آپ کو منظم کر رہی ہیں اور اپنے آپ کو ایک علحدہ قوم بنا رہی ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی علحدہ تنظیم موجود ہے۔ لیکن ہمارے پریشد کا وہ طبقہ جو چرخہ کھادی، اہنسا اور اتحاد کے تعمیری پروگرام کا راگ الاپتا ہے مسلمانوں اور پست اقوام سے اتحاد پیدا کرنے کے بجائے چند نام نہاد قوم پرستوں کو اپنا آلۂ کار بنا کر پلیٹ فارم پر صرف ذمہ دارانہ حکومت کا نعرہ لگاتا ہے۔ پریشد کے کارکنوں سے میری مخلصانہ اپیل ہے کہ وہ اپنی تحریکات کا جائزہ لیں محض نصب العین پر زور دینا اور حقائق سے منہ موڑنا سیاست دانوں کے لئے زیب نہیں دیتا۔ اصل مسائل ناداروں اور غرباء کے معاشی مسائل ہیں۔ نفع اندوزوں کے طرز عمل نے جو معاشی بحران پیدا کر دیا ہے اس سے بچنا ہے۔ ان مسائل کے حل کے لئے قائدین کا اقدام بنظر استحسان دیکھا جائے گا۔ حقیقی معنوں میں مفلس عوام کی خدمت ہی ان کا نصب العین ہونا چاہئے۔ جب تک پریشد کے کارکن چند فرسودہ مطالبات، بوسیدہ سیاست اور باہمی اختلافات کو منظر عام پر لاتے رہیں گے اور ناواقف عوام کے جذبات سے کھیلتے رہیں گے ملک کے مختلف معاشی مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ باب حکومت کی چند لغزشوں پر نظر رکھنے کی بجائے حقائق کو پیش نظر رکھ کر پست اقوام اور مسلمانوں کو دو علحدہ قوم مان کر برابری کے اساس پر کوئی سمجھوتہ کریں اور ملک کے مفاد میں ایک واضح معاشی لائحہ عمل مرتب کریں ذخیرہ بازوں اور نفع اندوزوں کو کچلنے اور معاشی بحران کو حل کرنے کے لئے پریشد کے کارکن قدم اٹھائیں تو صحیح معنوں میں یہ ملک کی خدمت ہوگی۔

عمالی جماعت کی کامیابی پر ہندوستان کا ردِ عمل

مسلم لیگ کا جدید انتخابات پر اصرار

برطانیہ کے جدید انتخابات کے نتیجہ کا ہندوستان میں عام طور پر خیر مقدم کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اقتدار اب ترقی پسند قوتوں کے ہاتھ میں آگیا ہے اور یہ توقع کی جا رہی ہے کہ ہندوستان سے متعلق فیاضانہ پالیسی اختیار کی جائے گی۔

لیکن سنجیدہ غور و فکر کرنے والے ہندوستانیوں کو یہ توقع نہیں کہ عمالی جماعت کی کامیابی ہندوستان کی حد تک کسی بڑے تغیر کا باعث ہوگی۔ ایک قومی اخبار لکھتا ہے کہ "مسلسل مایوسیوں نے ہندوستان کے باشندوں میں یہ ایقان پیدا کر دیا ہے کہ برطانیہ کی کسی جماعت کے وعدوں پر بھروسہ کرنا غیر دانشمندی اور نامناسب ہے۔ اس خصوص میں عمالی جماعت نے اپنے آپ کو اسی طرح ناقابل اعتماد ثابت کیا ہے جیسا کہ اس کی پیشرو جماعتوں نے ثابت کیا تھا۔"

بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ عمالی جماعت بھی سلطنت برطانیہ کی تحلیل کے لئے اسی طرح تیار نہیں جس طرح کہ مسٹر چرچل تیار نہیں تھے۔ بعض حلقوں میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ کرپس کے پیش کش اور ویول اسکیم کو عمالی جماعت کی تائید حاصل تھی۔

ان سارے امور کے باوجود سیاسی ہندوستان عمالی جماعت کی کامیابی کا خیر مقدم کر رہا ہے کیونکہ عام خیال یہ ہے کہ عمالی جماعت کی کامیابی برطانیہ میں ایک نئی ذہنیت پیدا کرے گی اور عالمی نظام نو کی تشکیل پر اس کا اچھا اثر پڑے گا۔ ثانیاً عمالی حکومت ہندوستان کی حد تک سابقہ حکومت کے مقابلہ زیادہ فیاضانہ پالیسی اختیار کرے گی۔

برطانوی انتخابات کے نتیجہ پر ہندوستان میں احتیاط کے ساتھ رجائیت کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے اس تاثر کا اظہار کیا ہے کہ برطانیہ کے باشندوں نے قدیم اور فرسودہ نظام کو ترک کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ایک اور صف اول کے کانگریسی لیڈر ڈاکٹر راجندر پرشاد عمالی جماعت کی کامیابی کو منفی اہمیت دیتے ہیں مگر مسٹر چرچل اور مسٹر امیری کے خلاف ووٹ کا وہ خیر مقدم کرتے ہیں کیونکہ انھوں نے اپنے آپ کو "رجعت پسند اور ہندوستان کی تمناؤں کو دشمن ثابت کر دیا تھا۔" ولبھ بھائی پٹیل اُس تجربہ کی یاد تازہ کرتے ہیں جو ہندوستان کو سابقہ عمالی حکومت کے دور میں ہوا تھا۔ اور یہ توقع ظاہر کرتے ہیں کہ اس دفعہ عمال کی کافی اکثریت ہے اس لئے وہ اپنے وعدوں کو شاید پورا کرے۔

عمالی لیڈروں کے بعض بیانات سے ہندوستان کے قومی حلقوں میں ایک اچھا اثر پیدا ہوا ہے۔ مثلاً گزشتہ کئی ماہ سے عمالی لیڈر کہتے رہے ہیں کہ انگلستان بھی ہندوستان کے سیاسی تعطل کو دور کرنے کے لئے اسی طرح متردد ہے۔ گزشتہ سنہ کے مہینے میں مسٹر بیون نے اعلان کیا کہ "اگر ہم انتخابات میں کامیاب ہو گئے تو ہم وزیر ہند کا دفتر بند کر دیں گے اور اس کے کاروبار کو مقبوضات کے دفتر میں منتقل کر دیں گے۔ اس واقعہ سے یہ اعتماد پیدا ہوگا کہ ہندوستانیوں پر وائٹ ہال سے اب حکومت نہیں کی جا رہی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہندوستان کی زندگی کے ہر شعبہ میں اتحاد پیدا ہو۔ ہم اس امر پر اکتفا نہیں کریں گے کہ ہندوستانیوں کو خود آپس میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے چھوڑ دیا جائے کیونکہ یہ بہت مشکل ہے۔ ہم ان میں اتحاد پیدا کرنے کی انتہائی کوشش کریں گے۔ اور صبر اور عزم کے ساتھ اس سمت میں قدم اٹھائیں گے۔"

عام انتخابات کے نتائج کا اعلان ہونے کے بعد لارڈ لسٹوول سابق نائب وزیر ہند نے بیان کیا کہ یہ بالکل واضح ہے کہ عمالی حکومت کے پروگرام میں اولین مقام ہندوستان کو حاصل ہوگا۔ انھوں نے اس امر کی طرف بھی اشارہ کیا کہ ہندوستان میں ممکن ہے بہت جلد صوبہ واری انتخابات عمل میں آ جائیں گی انھوں نے کہا کہ آئندہ موسم سرما میں ہی انتخابات عمل میں لانے کی توقع ہے۔

ہندوستان کی سیاسی فضا میں یہ خیالات پھیلے ہوئے ہیں اور عام توقع یہ ہے کہ ہندوستان کے عارضی اور مستقل مسئلہ کے حل کی طرف اب دوسرا قدم اٹھایا جائے گا جو لوگ یہ محسوس کرتے تھے کہ شملہ کانفرنس کی غیر متوقع ناکامی کی وجہ برطانیہ کی سیاسی زندگی کی غیر یقینی حالت تھی وہ مستقبل قریب میں نئے واقعات کے ظہور پذیر ہونے کا انتظار کر رہے ہیں

پہنچتے ہوں ہی جدید برطانوی حکومت کام شروع کر دے گی۔

اس خیال کے مد نظر کہ عمالی جماعت کو پارلیمنٹ میں بھاری اکثریت حاصل ہو چکی ہے ہندوستان کی رائے عامہ یہ توقع کرتی ہے کہ ہندوستان سے متعلق پالیسی کی تشکیل میں ہندوستان کے عوام کی رائے کو عمالی حکومت کافی اہمیت دے گی۔

ہندوستان کی توقعات ابھی مبہم ہیں وزیر ہند کے دفتر کو بند کر دینے کے ذکر سے اکثر حلقوں میں ہو رہے ہیں۔ یہ کوئی معمولی انتظامی کام نہیں ہے۔ وزیر ہند کے دفتر کو مقبوضات میں منتقل کرنا کوئی اصلاحی کام نہیں ہے۔ ذمہ دار قومی حلقوں کا خیال ہے کہ ہندوستان کی حیثیت کا تعین کئے بغیر یہ کام نہیں ہو سکتا۔ پہلے یہ طے کرنا پڑے گا کہ برطانیہ سے ہندوستان ایک ڈومینین ہے۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہندوستان کے آئندہ دستور کے پیچیدہ مسئلہ کو حل کیا جائے۔

اس موضوع سے متعلق ان خیالات پر غور کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جو سر اسٹافورڈ کرپس نے ظاہر کئے ہیں۔ سر اسٹافورڈ کرپس عارضی انتظام کے لئے وقت ضائع کرنا پسند نہیں کرتے ان کا خیال ہے کہ ایک مستقل سمجھوتہ کرانے کے طریقوں پر غور کرنا بہتر ہے جس میں پاکستان کا سوال سب سے اہم تنقیح قرار پائے گا۔

سر اسٹافورڈ کرپس کی اس رائے کا مسلم لیگ کے حلقوں میں خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ لیگ کا مطالبہ ہے کہ ہندوستان کے مسئلہ کے تصفیہ میں عمالی حکومت کو زیادہ دیانت دار اور بے لاگ ہونا چاہئے۔ کانگریس کو خوش کرنے کی کوشش ترک کر دی جانی چاہئے۔ لیگی اخبارات سر اسٹافورڈ کرپس کی اس رائے کے حامی ہیں کہ ہندوستان میں عام انتخابات عمل میں لائے جائیں۔

یہی ایک تجویز ہے جس پر ایک حد تک اتفاق رائے پایا جاتا ہے مگر یہ کہا جا رہا ہے کہ عام انتخابات صوبہ واری خود مختاری کی بحالی کے لئے عمل میں لائے جائیں تو یہ زیادہ موثر ہوں گے جب تک کہ مرکزی اسمبلی کے انتخابات بھی عمل میں نہ آ جائیں۔ اگر صوبہ واری مجالس مقننہ کے انتخابات کا مقصد مرکزی حکومت کی صورت کو متعین کرنا اور آئندہ دستور کے مسئلہ کو طے کرنا ہے تو یہ ایک اور بات ہے۔

ہندوستان کی اہم سیاسی جماعتیں غور اور انتظار کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں اور یہ دیکھ رہی ہیں کہ عمالی حکومت کی پالیسی کیا ہوتی۔ مسلم لیگ نے اپنی امیدوں کو صوبہ واری انتخابات پر مرکوز کر دیا ہے لیگ کو یہ یقین ہے کہ جہاں تک مسلم جماعت کا تعلق ہے مسلمانوں کے ووٹ سے [illegible]

بقیہ ... صفحہ (۱۱)

فوجی بھرتی ——— کھانا اور کپڑا

نشرگاہ حیدرآباد سے کرنل راجرس کی تقریر

پچھلی مرتبہ آپ کو بتایا گیا تھا کہ ایک فوجی کو کیا تنخواہ ملتی ہے۔ آج آپ کو اس کے کھانے اور کپڑے کی تفصیلات بتائی جائیں گی۔ یہ دونوں چیزیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں کیونکہ انہیں کی وجہ سے ہندوستانی فوج حقیقت میں ہم پاسبان بن گئی ہے۔ دنیا کے بہترین آدمی بھی اس وقت تک اچھے سپاہی نہیں بن سکتے جب تک انہیں مناسب غذا اور کپڑا نہ دیا جائے۔ مناسب غذا سے مطلب صرف اچھی غذا کے افراط ہی سے نہیں ہے بلکہ ایسی غذا کی فراہمی سے بھی ہے جو فوجیوں کو پسند ہو تاکہ وہ واقعی مزے لیکر کھائیں۔ چونکہ ہمارے سپاہیوں کی غذا میں اس کا خیال رکھا جاتا ہے اس لئے وہ دشمن کے سپاہیوں کے مقابلہ میں زیادہ محنتی ہوتے ہیں اور بہتر طریقے سے جنگ کرتے ہیں۔

۲۔ فوجیوں کی غذا کے بارے میں جسے فوج میں راشن کہتے ہیں صحیح اور تازہ ترین معلومات حاصل کرنے کے لئے ایک فوجی تربیت گاہ کا معائنہ کیا جہاں متعدد جماعتوں کے فوجیوں کو تربیت دی جاتی ہے۔ میں نے کوارٹر ماسٹر سے بہت دیر تک گفتگو کی۔ اور مختلف جماعتوں اور درجوں کے تقریباً ایک درجن فوجیوں سے بھی بات چیت کی انہیں جو غذا دی جاتی ہے اسے دیکھا۔ وہاں میں نے جو حالات دیکھے وہ تمام ہندوستان کی ہر فوجی تربیت گاہ میں پائے جاتے ہیں۔ میں جس امر سے متاثر ہوا وہ یہ تھا کہ میں نے جن فوجیوں سے بات چیت کی ان سے ایک بھی ٹھیک طور پر نہ بتا سکا کہ اسے اجناس اور کھانے پینے کی دوسری چیزیں کس قدر دی جاتی ہیں۔ انھوں نے صرف یہ بتلایا کہ انہیں کیا غذا دی جاتی ہے اور وہ غذا کی مقدار اور نوعیت دونوں سے پوری طرح مطمئن تھے۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ روزانہ انہیں کتنا آٹا دیا جاتا ہے (یا) چاول دیا جاتا اور جب میں نے انہیں مختلف چیزوں کی مقداریں بتائیں تو ایسا معلوم ہوا گویا ان کے پاس مقداریں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ اس لئے میں آپ سے یہ نہیں کہونگا روزانہ ہر فوجی کو کتنا کھانا ملتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ پیچیدگی کا باعث ہوگا اس کی بجائے آپ کو یہ بتاؤنگا کہ چار فوجیوں کو کیا ملتا ہے تاکہ آپ اس مقدار کا اس مقدار سے مقابلہ کرسکیں جو کسی گاؤں میں چار غیر فوجی آدمیوں کے ایک خاندان کو ملتی ہے۔ اس چیز کو زیادہ آسانی کے ساتھ سمجھانے کے لئے میں آپ کو بتاؤں گا کہ ان چار فوجیوں کو ہفتہ میں کیا ملتا ہے۔ اگر آپ یہ جاننا چاہیں کہ ایک فوجی کو کیا ملتا ہے تو ان اعداد کو چار سے تقسیم کیجئے۔

ہر روز چار فوجیوں کو جو غذا دی جاتی ہے اس کی مقدار یہ ہے آٹا اور چاول تین سیر چھ چھٹانک تین سیر نہیں بلکہ تین سیر چھ۔ اس لئے کہ بعض لوگ آٹا زیادہ کھاتے ہیں اور بعض لوگ چاول زیادہ۔ دال چھ چھٹانک۔ گھی ساڑھے پانچ چھٹانک پیاز چار چھٹانک۔ تازہ آلو آٹھ چھٹانک تازہ ترکاری ۱۲ چھٹانک۔ اس طرح جملہ ڈیڑھ سیر تازہ ترکاری دی جاتی ہے۔ گوشت چار چھٹانک۔ نمک ایک چھٹانک مسالا ایک چھٹانک ایک سے کچھ زیادہ یا اگر ملے تو ہری مرچ ہلدی وغیرہ فوجیوں میں بہت ہی پسند کی جاتی ہے ۲ چھٹانک۔ یہ بہت پسند کی جاتی ہے۔ شکر ڈیڑھ چھٹانک چائے ½ چھٹانک تازہ دودھ ۱۲ چھٹانک اور ملائی نکلے ہوئے دودھ کا سفوف ½ چھٹانک۔ ان چیزوں کو پکانے کے لئے ان چار فوجیوں کو چار سیر جلانے کی لکڑی یا اتنا ہی کوئلہ یا تیل دیا جاتا ہے۔ یہ چار آدمیوں کی ایک دن کی راتب ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ میری اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ یہ دن بھر کے لئے کافی سے زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ ہفتے میں تین مرتبہ ان چار فوجیوں کو آٹھ چھٹانک میوہ یا سنترا یا انگور یا ایک سیر دوسری اقسام کا میوہ جیسے آم موز وغیرہ دیا جاتا ہے۔ اگر ایک سنترا یا آم مقررہ وزن سے زیادہ ہے تو ظاہر ہے کہ اسے کاٹ کر تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ اس طرح ہر آدمی کو کم از کم ایک میوہ ضرور ملتا ہے۔ اور ہر ہفتہ ان چار آدمیوں کو دیاسلائی کی چار ڈبیاں دی جاتی ہیں اس طرح ہر آدمی کو ایک ڈبی ملتی ہے۔

۳۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان چار فوجیوں کو اس حساب سے ہفتہ میں کس قدر غذا ملتی ہے تاکہ آپ چار اشخاص کے ایک غیر فوجی خاندان کی غذا سے اس کا مقابلہ کرسکیں۔ ان چار فوجیوں کو ڈھائی من چاول اور آٹا تقریباً ۱۶ سیر دال دس سیر سے زائد گھی ۲½ سیر پیاز ۱۵ سیر تازہ آلو اور (۲۲½) سیر دوسری ترکاریاں ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ انہیں (۲½) سیر گوشت تقریباً دو (۲) سیر خشک پھل تقریباً (۱ - ۹) سیر شکر (۱½) سیر چائے اور (۲۲½) سیر تازہ دودھ اور تقریباً (۱½) سیر ملائی نکالے ہوئے دودھ کا سفوف بھی ملتا ہے۔ اس غذا کو پکانے کے لئے انہیں (۲۸) من جلانے کی لکڑی یا اس کی بجائے اتنا ہی کوئلہ یا تیل دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ انہیں ۲ سیر سنترا یا میوہ یا (۳) سیر دوسرے میوے دئے جاتے ہیں اور دیاسلائی کی (۱۶) ڈبیاں فراہم کی جاتی ہیں۔ اس کا مقابلہ اس غذا سے کیجئے جو راتب ہندی اور گرانی کے اس زمانہ میں چار آدمیوں کے ایک خاندان کو مل سکتی ہے۔ خود اپنے ضلع میں کھانے پینے کی چیزوں کے موجودہ نرخوں کا لحاظ کرتے ہوئے اندازہ کیجئے کہ اس کے کیا اخراجات ہوں گے۔ یقیناً آپ دیکھیں گے کہ مہینہ بھر کی غذا کے لئے سو روپیہ سے زائد صرف ہونگے۔ دیہات میں چار آدمیوں کے کتنے خاندان ایک مہینے کے لئے غذا پر اتنا صرف کرسکتے ہیں لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ سپاہیوں کو صرف سے زیادہ کھانا دیا جاتا ہے انہیں سخت محنت کرنی پڑتی ہے اور مضبوط اور طاقتور بننا پڑتا ہے۔ اس لئے زیادہ مقدار میں اچھی غذا ضروری ہے یہ بھی یاد رہے کہ سپاہی کو اس کی قیمت ادا کرنی نہیں پڑتی بلکہ یہ مفت دی جاتی ہے۔

۴۔ آئیے اب یہ دیکھیں کہ فوجیوں کو یہ غذا کیسے اور کس طرح دی جاتی ہے تمام حالات میں دیا نہ زیادہ مفید ہوگا کیونکہ اس کو پکانے میں بہت سا وقت اور محنت ضائع جائیگی۔ اس لئے انہیں پکی پکائی غذا دی جاتی ہے۔ عام طور پر انہیں (۲۰) یا (۲۵) آدمیوں کی جماعتوں میں جنہیں دستے کہتے ہیں تقسیم کردیا جاتا ہے ہر دستے کے لئے ایک علحدہ باورچی ہوتا ہے۔ اور ان باورچیوں کو ایسی غذا پکانے کی تربیت دی جاتی ہے جو ان فوجیوں کو پسند ہو۔ صبح سویرے کام شروع کرنے سے پہلے فوجیوں کو چاء اور چپاتیاں دی جاتی ہیں صبح میں چند گھنٹے بعد انہیں کھانا دیا جاتا ہے۔ جس تربیت گاہ کا میں نے معائنہ کیا تھا وہاں کھانے کا وقت ساڑھے گیارہ بجے تھا۔ اور عام طور پر تمام فوجی تربیت گاہوں میں اسی وقت کھانا دیا جاتا ہے اگر کسی دن کوئی خاص کام ہو تو کھانے کا بھی اسی لحاظ سے انتظام کیا جاتا ہے سہ پہر میں تقریباً چار بجے انہیں پھر چائے اور ہلکا سا ناشتہ دیا جاتا ہے اور شام کے کھانے کا وقت تقریباً سات بجے مقرر ہے۔ دونوں وقت کے کھانے میں چاول یا چپاتی کے ساتھ سالن بھی دیا جاتا ہے۔ یقیناً یہ غذا نہایت اطمینان بخش ہوتی ہے کیونکہ یہ دیکھنے میں اچھی اور کھانے میں مزیدار ہوتی ہے بیشک میں ایک مرتبہ اور بعض دستوں میں ایک سے زائد مرتبہ ایک ہفتہ میں کم کی قسم غذا دی جاتی ہے جس کو سپاہی بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔

بقیہ سلسلہ صفحہ ۱۰ پر

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

بلا تنقید

الہ آباد میں ایک جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے سردار پٹیل نے گرنیوں کے بیوپاریوں اور تاجروں سے اپیل کی کہ وہ گجرات میں چور بازار کو روک دیں۔ عوام کی مصیبت سے فائدہ اٹھانے میں تاجروں اور گرنی کے ایجنٹوں نے غلطی کی۔ انہیں اپنے طریقے بدل دینے چاہئیں۔ ایک قومی حکومت برسر اقتدار آئے گی تو وہ چور بازار کو ختم کردے گی لیکن گجرات کی گرنیوں کے بعض ایجنٹوں اور بیوپاریوں کے لئے جو کانگریس سے وفاداری کرتے ہیں، یہ زیب نہیں دیتا۔ (اسوسی ایٹڈ پریس)

ہفتۂ گزشتہ کی اہم خبر یہ ہے کہ تعمیرات میں بعض فنی شعبے ایک غیر فنی عہدہ دار کے سپرد کئے گئے۔

خاکسار انتخابات لڑیں گے۔ (اخباری سرخی)

تو گویا عسکری تنظیم کے قائد علامہ مشرقی اب انتخابات ہی کو جہاد فی سبیل اللہ سمجھ رہے ہیں۔

اب نہ جنگی علم نہ جھنڈا ہے
ہے زباں گرم قلب ٹھنڈا ہے

ہم حیدرآباد میں جمہوری طرز پر اصلاحات چاہتے ہیں (مسٹر رنگ راؤ)

مگر ذات پات اور چھوت چھات کے پورے لوازمات کے ساتھ

ہمارے ایک وظیفہ یاب صوبہ دار و منصب دار نے شہریوں کے نام ایک کھلا خط شائع کیا ہے جس میں یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ بعض عہدہ داروں کو وظیفہ کے بعد پھر اس خدمت پر دوبارہ تقرر کیا گیا۔ اس اعتراض سے ہم بالکل متفق ہیں کیوں نہ ایسے وظیفہ یاب عہدہ داروں کا جاگیرات میں تقرر کیا جائے تاکہ وہ اطمینان کے ساتھ شہریوں کے نام کھلے خط شائع کرتے رہیں!

کامریڈ پی۔ سی۔ جوشی "قومی جنگ" میں تحریر کرتے ہیں کہ:۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ کانگریسی رہنماؤں کی پالیسی میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے۔ کبھی وہ ستیہ گرہ کی سخت دھمکی دیتے ہیں اور کبھی دستوری طریقۂ کار پر بھروسہ کرکے بیٹھ جاتے ہیں۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں وہ جدوجہد کی دھمکی در اصل ایک قسم کی جوابازی تھی۔ لیگ کو چھوڑ کر برطانیہ سے یک طرفہ سمجھوتہ کی کوشش جوابازی ہے۔ شملہ میں یہ کوشش بھی کی گئی اور اس جوئے میں بھی ہارنا پڑا۔

یہ سب باطنی آواز کے کرشمے ہیں۔ اگر کامریڈ جوشی اس معمہ کو سمجھنا چاہتے ہیں تو انہیں کم از کم اکیس روز برت رکھنا چاہئے۔

"دکن نیوز" کی اطلاع ہے کہ:۔

اصلاح نظم و نسق کا ایک پروگرام جس کا اہم جزو یہ ہے کہ ہر سررشتہ کے گزیٹیڈ عہدہ دار کو اس امر کا پابند کیا جائے کہ وہ اپنے سررشتہ کے تازہ ترین معلومات حاصل کرے اور حالات حاضرہ سے واقف رہے

کیا حالات حاضرہ سے واقفیت کے بغیر گزیٹیڈ خدمات مل جاتی ہیں؟ نیوز ایجنسیوں کو خبر رسانی میں احتیاط برتنی چاہئے۔

اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ:۔

صدر مجلس ضلع گلبرگہ "تانڈور" پہنچے رضاکاروں نے ان کا استقبال کیا اور جلوس نکالا۔ "تانڈور سے چیچولی روانہ ہوئے۔ چیچولی کے مسلمانوں نے بس روک کر گلپوشی کی اور جلوس کی شکل میں جامع مسجد تک لے جایا گیا۔ صدر ضلع نے اس پرجوش استقبال کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مجلس کے مسلک

پر قائم رہنے کی ہدایت فرمائی۔

ہماری رائے میں یہ ہدایت بالکل غیر ضروری تھی کیونکہ آج کل مجلس کا مسلک لیڈروں کا جلوس اور گلپوشی کا ہے اور مسلم عوام اس پر برابر کاربند ہیں۔

کلک جینتی کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر رام کشن راؤ نے فرمایا کہ حیدرآباد میں سیاسی زندگی پستی کی جانب مائل ہے۔ (ایک خبر)

مگر سیاسی لیڈر تو اب حکومت کی بلندی کی جانب مائل ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک لاری خلاف احکام حکومت کے تعلیمی سے کہ رات کے گیارہ بجے منظم پورہ کے راستے سے گزر رہی تھی مگر راستہ میں ایک دلدل میں پھنس گئی اور کوشش کے باوجود نکل نہ سکی۔ پولیس نے موقع پر پہنچ کر لاری کو گرفتار کر لیا۔ (ایک خبر)

اب ہماری سمجھ میں آیا کہ سڑکوں کی مرمت نہ کرنے میں کیا مصلحت پوشیدہ تھی۔

کانگریس کے معتمد عمومی مسٹر اچاریہ کرپلانی نے بمبئی میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:۔

"شملہ کانفرنس کی ناکامی کی ذمہ داری مسلم لیگ پر ہے۔ مسلم لیگ برطانوی سامراج کا لاڈلا بیٹا ہے"

ساتھ ہی "قومی جنگ" کے نامہ نگار خصوصی نے شملہ سے اطلاع دی ہے کہ مسٹر کرپلانی برطانوی سامراج کا متبنیٰ بننے کی مسلسل کوشش کرتے رہے لیکن رسم تہنیت ہنوز ادا نہیں ہوئی۔

ایک مشرقی کہتا ہے کہ اگر دیر سادر کرے احمدآباد ... لا کر وہ تعمیل قبول: فرمائی جوان کے لئے جیسے کی کمی ہے تو یہ لوگ مرن برت رکھ لیں گے۔ دوسرا کہتا ہے کہ اگر سادر کرجی نے احمدآباد آنے کا ارادہ کیا تو وہ فاقہ کشی شروع کردے گا۔

اب بتائیے کہ مہا سبھا کے صدر کیا کریں ... رانے میں تو ..... مگر ہم اپنی رائے تب ہی بتا سکتے ہیں جب اس تعمیل میں کچھ ہمارا بھی حصہ ہو۔

(پیام۔ سرراہ)

بلی تھیلے سے باہر آ گئی۔

شملہ کانفرنس کی ناکامی کے اسباب

سجاد ظہیر کے ایک مضمون کا اقتباس

شملہ جانے سے پہلے ہی کانگریس نے بعض باتوں کا فیصلہ کر لیا تھا۔ (۱) کانگریس لیگ مساوات کا فارمولا منسوخ (۲) لیگ سے بات چیت نامنظور۔ مسلم کوٹے میں سے نیشنلسٹ مسلمانوں کے لئے ایک یا دو نشستیں حاصل کی جائیں۔

کانگریس اور لیگ کے درمیان اختلافات کی خلیج اور بڑھنے لگی۔

ویول پلان میں کانگریس کو "سورن ہندوؤں" کے نمائندے کی حیثیت دی گئی تھی۔ یہ چیز مسٹر جناح کے اس محبوب نظریے کے مطابق تھی کہ کانگریس ایک ہندو جماعت ہے لیکن انھوں نے ایک لمحے کے لئے بھی یہ نہ سوچا کہ اگر کانگریس نے ویول کے اس دعوے کی تردید کرتے ہوئے کانفرنس میں شرکت سے انکار کر دیا تو کیا ہوگا۔ ان کو تو بس یہ خوشی تھی کہ ویول کے بدولت ان کے "اصول" کی فتح ہوتی ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا آزاد اور جناح صاحب دونوں نے دو مختلف اسباب کی بناء پر ویول پلان کو بھولا بھائی لیاقت فارمولے پر ترجیح دی۔ دونوں اس خیال میں تھے کہ ویول کی مدد سے وہ دوسرے سے اپنا اصول منوالیں گے۔ مولانا کا یہ خیال تھا کہ ویول کانگریس کی قومی حیثیت مان لے گا۔ قائداعظم کو یہ گمان تھا کہ ویول نے کانگریس کو ہندو جماعت کہہ دیا ہے۔ اب صرف یہ منوانا باقی ہے کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ ایک دوسرے کو اپنا ہم خیال بنانے کے بجائے یہ حضرات ویول کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کرتے رہے۔

مولانا آزاد ویول سے ملنے کے بعد مطمئن ہوگئے انھیں یقین تھا کہ ویول کانگریس کی بات مان لے گا۔ وائسرائے کے سکریٹری جنکنس نے بعض لوگوں سے یہاں تک کہہ دیا کہ مسٹر جناح کا یہ مطالبہ کہ پانچوں مسلم نشستیں لیگ کو ملنی چاہئے درست نہیں ہے۔ ویول نے یہی بات اپنی ایگزیکٹو کونسل کے ممبروں سے کہی تھی اور ان کے ذریعے سے سارے شملہ میں مشہور کرائی تھی۔ ویول مولانا آزاد کی شخصیت سے "مرعوب" ہوگیا ہے۔ یہ معلوم کرکے بڑی خوشی ہوئی کہ کانگریسی رہنما "دراصل شریف لوگ" ہیں۔ اس کے برعکس مسٹر جناح "سخت ضدی اور نامعقول" واقع ہوئے ہیں۔ یہ تھیں عام افواہیں جو وائسرائے ہاؤس کے گماشتے سارے شہر میں پھیلاتے رہتے تھے۔

کانگریسی رہنماؤں نے دل ہی دل میں سوچا اگر ویول ہمارے بارے میں یہ رائے رکھتا ہے تو پھر ہم مسٹر جناح سے مصالحت کیوں کریں۔ چونکہ اب جو لوگ اس کوشش میں تھے کہ کانگریس اور لیگ اپنی مشترکہ فہرست پیش کریں۔ (مثلاً میاں افتخار الدین صدر پنجاب کانگریس کمیٹی) ان پر یہ الزام لگایا کہ وہ لیگ کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ مسٹر بھولا بھائی دیسائی مجبور ہوئے اور چار کی بجائے ... کہا کرتے تھے کہ کانگریس سمجھوتے پر اصرار کرکے مسٹر جناح اور مسلم لیگ کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ ۱۰ جولائی تک مسٹر دیسائی کو بھی دوسرے کانگریسی لیڈروں کی طرح یقین تھا کہ مسلم لیگ دب جائے گی اور نہ دبی تو ویول لیگ کو نظر انداز کرکے پلان کو کامیاب بنائے گا۔ دلیل یہ تھی کہ چونکہ لیگ کو برطانوی سامراج نے شہ دی ہے اور اس کے لیڈر تو دی اور ابن الوقت ہیں اس لئے جب انھیں یہ محسوس ہوگا کہ وائسرائے کانگریس سے سمجھوتہ کرنے پر تلے ہیں تو وہ وائسرائے کی بات مان لیں گے۔

لیکن دو ایسے واقعات پیش آئے جن کی وجہ سے کانگریسی حضرات کو اس بات کا خفیف سا اندازہ پیدا ہونے لگا کہ ممکن ہے مسٹر جناح نہ جھکے اور لیگ ویول پلان کو ناکام کر دے۔ ایک جناح پنت بات چیت کی ناکامی تھی اور دوسرے پریس کانفرنس میں مسٹر جناح کی تقریر۔ پنت جناح ملاقات کی تفصیلات ہم شائع کر چکے ہیں۔ اس ملاقات کے بعد مسٹر جناح کا رویہ اور سخت ہوگیا۔ اب انھیں ویول پلان میں بنیادی خرابیاں نظر آنے لگیں جو اس سے پہلے مفقود تھیں یا ... ان کی پریس کانفرنس کے بعد مسائل اور صاف ہوگئے۔ نواب زادہ لیاقت علی خاں نے کہا کہ اگر شملہ کانفرنس ناکام ہوئی تو مسلم لیگ نہ صرف عارضی مرکزی حکومت کے چکر میں نہیں پڑے گی بلکہ پاکستان کی بنیاد پر ہندوستان کی تقسیم کا مطالبہ کرے گی۔

ظاہر ہے کہ موصوف کے نزدیک کانفرنس کی ناکامی کی ذمہ داری کانگریس پر تھی۔ بھولا بھائی لیاقت فارمولے کے مصنف کے منہ سے ایسی باتیں سن کر بڑا دکھ ہوتا ہے۔

۱۵ جولائی کو جب لیگ ورکنگ کمیٹی کے ممبر شملہ پہونچے تو فضا میں تھوڑی تبدیلی نظر آنے لگی۔ کئی لیگی لیڈروں نے کھلم کھلا سمجھوتے کی خواہش ظاہر کی۔

کانگریسی حلقوں کا کیا حال تھا؟ ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کے آنے سے کانگریس کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ یہ حسن ظن برابر باقی رہا کہ اگر لیگ نے بات نہ مانی تو ویول اسے نظر انداز کر دے گا۔ مسٹر درگا داس ہندوستان ٹائمس کے نامہ نگار خصوصی راوی تھے کہ ویول نے کئی بار کانگریسی لیڈروں کو اس بات کا یقین دلایا کہ اگر لیگ نے کوئی غیر معقول طرز عمل اختیار کیا تو وہ لیگ کے بغیر ویول پلان پر عمل کرے گا۔ یہ درگا داس نے بتایا کہ مولانا آزاد اور پنڈت نہرو کی باتوں سے یہی اندازہ ہوا۔ ڈاکٹر خان بھی یہی کہتا رہا اور مولانا آزاد کے بیانات سے درگا داس کے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے۔

مولانا آزاد نے اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کی غرض سے جمعیۃ العلماء، کرشک پرجا پارٹی اور مومن کانفرنس کے بعض لیڈروں کو بھی شملہ بلالیا۔ مولانا حسین احمد مدنی، مسٹر [illegible] اور مسٹر ظہیر الدین انصاری وغیرہ نے شملہ پہونچ کر یہ شور مچانا شروع کیا کہ لیگ کے مطالبے کو ہرگز منظور نہیں کرنا چاہئے۔ ڈاکٹر خاں صاحب بھی لیگ سے سمجھوتے کے مخالف تھے۔ پروفیسر ہمایوں کبیر صاحب جو احراری لیڈر ہیں اور کرشک پرجا پارٹی کے لیڈر ہیں، کانگریس ... بنگالی اخبار "مجاہد" کے نام سے نکلتے ہیں اور کلکتہ یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں یہ ثابت کرنے لگے تھے کہ مسلم لیگ عنقریب ختم ہو جائے گی۔ دلیل یہ کہ اگر اس نے عہدے قبول کئے تو پھر وہ کانگریس کے خلاف کیا ہنگامہ کرے گی اس لئے ختم ہو جائے گی۔ اگر اس نے عہدے قبول نہ کئے تو پھر اس کے تمام ممتاز ممبر جو عہدوں کی خاطر لیگ میں شامل ہوتے ہیں لیگ سے الگ ہو جائیں گے اور لیگ ختم ہو جائے گی۔

بعض کانگریسی حضرات بڑی سنجیدگی سے یہ رائے ظاہر کرتے تھے کہ آئندہ الکشن میں مسلم لیگ کو یو۔پی، سرحد، بہار، آسام، بنگال اور پنجاب میں مکمل شکست ہوگی اس خود فریبی کی کوئی حد نہ تھی۔

کانگریسی حضرات کی آنکھیں اس وقت کھلیں جب ویول نے مسٹر جناح کو بلا کر مسلم ممبروں کی فہرست انھیں دکھائی جس میں ایک بھی نیشنلسٹ مسلمان نہیں تھا۔ ویول نے چار لیگیوں کو لیا تھا اور ایک یونینسٹ مسلمان کو! یہ تھا آپس کی پھوٹ

بقیہ سلسلہ صفحہ ۱۲

روئداد مرکزی مشاورتی مجلس اغذیہ

بصدارت فضیلت مآب نواب صدر اعظم بہادر

بسلسلہ گزشتہ

تحریکات

قاضی عبد الغفار صاحب نے بتایا کہ مسٹر ابراہیم زنگراد ایک غیر سرکاری کمیٹی کے تقرر کی سفارش کی جو کارپوریشن کو اس کے سالہائے گذشتہ کے ذخائر کی فروخت سے متعلق مشورہ دے۔

مولوی رضی الدین احمد صاحب نے کہا کہ یہ مسئلہ مجلس عاملہ کے سپرد کیا جاسکتا ہے جو اگر چاہے تو اس غرض کے لئے جدید ارکان کا اضافہ کرے گی۔ ایوان نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔

دوسری تجویز یہ تھی کہ کارپوریشن کے مصارف میں تخفیف کی راہیں تجویز کرنے کے لئے ایک غیر سرکاری کمیٹی مقرر کی جائے۔

معزز صدر اعظم بہادر نے کہا کہ ایوان کی یہ سفارش حیدرآباد کمرشیل کارپوریشن کے نظما کے پاس بھیجدی جاسکتی ہے۔

تیسری تحریک یہ تھی کہ حیدرآباد کمرشیل کارپوریشن اپنے ششماہی حسابات مجلس عاملہ میں پیش کیا کرے۔ تحریک قبول کر لی گئی اور طے پایا کہ اس قرارداد کو بھی حیدرآباد کمرشیل کارپوریشن کی مجلس نظما میں روانہ کر دیا جائے۔

قاضی عبد الغفار صاحب نے گوداموں کی تعمیر کا مسئلہ اٹھایا اور کہا کہ محصول زائد نفع اندوزی کی رو سے کارپوریشن کے گوداموں کی تعمیر جائز نہیں قرار دی جاسکتی۔ قانون محصول زائد نفع اندوزی کے نفاذ کے وقت حکومت سرکار عالی نے اس کے مصارف کے متعلق جو اعلان کیا تھا اس میں گوداموں کی تعمیر شامل نہ تھی۔

مسٹر لکشمی نارائن گپتا نے کہا کہ قاضی صاحب کو جاننا چاہئے تھا کہ وہ اس سوال کو مالیات کی کمیٹی میں اٹھائے۔ مسٹر گپتا نے کہا کہ گودام کارپوریشن کے لئے نہیں بنائے جا رہے ہیں بلکہ وہ ایک خصوصی فنڈ کی جانب سے اس غرض کے لئے تعمیر ہو رہے ہیں کہ کاشتکار کو اس کی پیداوار کی حفاظت اور نکاسی میں مدد ملے۔

یہ صحیح ہے کہ فی الوقت کارپوریشن کو ان گوداموں سے استفادہ کی اجازت دی جا رہی ہے لیکن جونہی اتحادی انجمنیں اس قابل ہو جائیں گی کہ ان گوداموں کو اپنی تحویل میں لے لیں تو سارے گودام اتحادی انجمنوں کے حوالے کر دئے جائیں گے۔

قاضی عبد الغفار صاحب نے کہا کہ ان کا اعتراض اخبار کی بیانات پر مبنی تھا اگر مجوزہ گودام کارپوریشن کی ملکیت قرار نہیں پا رہے ہیں تو محکمہ رسد کے لئے مناسب تھا کہ وہ صحیح صورت حال سے عوام کو واقف کرادے۔

استفسارات

قاضی عبد الغفار صاحب نے چند استفسارات کئے جن کے تشفی بخش جوابات متعلقہ عہدہ داروں کی جانب سے دئے گئے۔ سوالات اور جوابات درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

سوال نمبر (۱) سنہ ۱۳۵۲ف اور سنہ ۱۳۵۳ف میں تحصیل سے وصول شدہ لیوی کی کیا مقدار تھی، اس کی تمام اقسام کی مقدار علحدہ علحدہ بھی بتائی جائے۔

جواب نمبر (۱) سنہ ۱۳۵۲ف کے دوران میں لیوی کے ذریعہ کل (۱۰) لاکھ (۸۰) ہزار پلے اور سنہ ۱۳۵۳ف میں (۲۵) لاکھ (۵۶) ہزار پلے اناج جمع کیا گیا۔

سوال نمبر (۲) سنہ ۱۳۵۲ف اور سنہ ۱۳۵۳ف کی مختلف اجناس کی جو کارپوریشن نے خریدیں کیا مقدار تھی؟

جواب نمبر (۲)

نام جنس	سنہ ۱۳۵۲ف	سنہ ۱۳۵۳ف
(۱) آبی سیاہ چاول	ایک لاکھ (۲۹) ہزار پلے	(۳) لاکھ (۱۰) ہزار (۹) سو
(۲) تابی " "	"	(۱۹) ہزار ایک سو (۲۰) پلے
(۳) جوار خریف	"	(۹۱) ہزار (۳) سو ۱۳ "
(۴) باجرہ	"	(۲۳) " (۹) " ۳۰ "
(۵) جوار ربیع	(۵۱) ہزار ایک سو (۲۰) پلے	(۸۲) " (۱) " ۵۵ "
(۶) گیہوں	(۱۹) " ۵ " ۱۱ "	(۸) " (۲) " ۳۳ "
جملہ	ایک لاکھ (۹۹) ہزار (۹) سو	(۵) لاکھ ۴۰ ہزار ۲ سو ۰۰

سوال نمبر (۳)۔ نمبر (۱) و نمبر (۲) پر سنہ ۱۳۵۳ف میں کیا اخراجات عائد ہوئے؟

جواب نمبر (۳)۔ سنہ ۱۳۵۳ف لیوی کا غلہ جمع کرنے والے عملہ پر (۳) لاکھ (۳۰) ہزار روپیہ کا صرفہ عائد ہوا۔ اس سال لیوی کے غلہ کی جملہ خریدی (۳) کروڑ (۹) لاکھ کی مالیت کی ہوئی اس طرح عملہ کے اخراجات کا تناسب ایک فیصد ہوا۔ کارپوریشن کے دیگر عملہ پر مثلاً صدر دفتر اور اضلاع کے ملازمین وغیرہ پر سنہ ۱۳۵۳ف (۲) لاکھ ۴۴ ہزار صرفہ عائد ہوا۔ اس دوران میں کارپوریشن کی جملہ خریدی ۹ کروڑ ۲۰ لاکھ کی ہوئی۔ اس طرح اس خرچ کا تناسب بھی ایک فیصد قرار دیا جاسکتا ہے۔

سنہ ۱۳۵۴ف میں کارپوریشن کے جملہ عہدہ داران و عملہ پر (۱۰) لاکھ ۳۰ ہزار کی رقم صرف ہوئی اور چونکہ اس میں دالوں اور غلہ کی خریدی با فراط پیش آئی تھی اس کا لحاظ کرتے ہوئے اخراجات کا تناسب (۱.۰۱) فیصد پڑتا ہے۔

سنہ ۱۳۵۵ف کی ششماہی اول میں لیوی کے عملہ پر (۲) لاکھ ۳۳ ہزار صرف ہوئے اور لیوی کی خریدی (۳) کروڑ (۵۰) لاکھ پر مشتمل تھی۔ اس طرح اخراجات کا تناسب ایک فیصد سے بھی کم رہا۔ کارپوریشن کے دیگر عملہ اور عہدہ داروں پر (۱) لاکھ (۹۱) ہزار صرف ہوئے۔ اس دوران میں لیوی کی خریدی اور خوشحال خریدی کی مالیت (۳) کروڑ ۹۰ لاکھ رہی اور اخراجات کا تناسب (۰.۱) فیصد ہوتا ہے۔ اس ششماہی میں کارپوریشن کے جملہ اخراجات (۵) لاکھ (۱۵) ہزار ہوئے اور اس دوران میں جو کاروبار انجام پائے ان کے پیش نظر اخراجات کا تناسب (۲.۰۳) فیصد ہوتا ہے۔ سنہ ۱۳۵۴ف کے مقابلہ میں یہ تناسب کسی قدر زائد ہے اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اس سال کارپوریشن نے معتدبہ مقدار میں بالاقساط کوئی اجناس نہیں خریدے۔ مزید براں کارپوریشن کی تنظیم میں باقاعدگی پیدا کرنے اور اس کی کارکردگی میں اضافہ کرنے کے لئے عملہ کو وسعت دینا ضروری ہوا۔

سوال نمبر (۴) اصل قیمت خرید سے کارپوریشن کے اخراجات خرید و نگرانی و انتظام وغیرہ کی نسبت فیصد کیا ہے؟

جواب نمبر (۴) کارپوریشن کے حسابی سال کے دیکھے جائیں جو خورداد سنہ ۱۳۵۲ف سے شروع ہو کر اردی بہشت سنہ ۱۳۵۳ف میں ختم ہوتا ہے تو اس مدت میں جملہ خریدی (۷) کروڑ (۸۰) لاکھ اور جملہ فروخت (۹) کروڑ (۸۰) لاکھ کی ہوئی اور عملہ کے اخراجات (۱۲) لاکھ (۹۵) ہزار عائد ہوئے۔ اگر صرف خریدی پر عملہ کا تناسب نکالا جائے تو ڈیڑھ فیصد اور جملہ کاروبار پر نکالا جائے تو ۳/۴ فیصد ہوتا ہے۔

سوال نمبر (۵) سنہ ۱۳۵۳ف و سنہ ۱۳۵۴ف میں کارپوریشن کا کتنا غلہ ضائع اور خراب ہوا؟

سوال نمبر (۶) سنہ ۱۳۵۳ف و سنہ ۱۳۵۴ف میں

کارپوریشن کو کتنا غلہ سوکھ کر بیکار ہو گیا اور اس کو دوسال میں کیا نقصان ہوا؟

جواب نمبر (۵) غلے کی وہ مقدار جو انسانی غذا کے قابل نہیں رہی (۲۰) ہزار روپے ہے۔ یہ نقصان کچھ تو دوران حمل و نقل کی کثرت کی وجہ سے یا اضلاع کے بعض گوداموں کی وجہ سے ہوا۔ سنہ ۱۳۶۱ف تک کارپوریشن کا اناج کیڑوں سے محفوظ رہا۔ اس کے بعد بعض گوداموں میں کیڑا شروع ہوا اور اس قدر لگا کہ آج کی تاریخ تک کیڑوں کی وجہ سے (۱۲) ہزار روپے اناج ضائع ہوا۔ چوہوں کی وجہ ذخائر میں جو کمی واقع ہوئی اس کی مقدار تقریباً (۲) ہزار روپے ہے اور حمل و نقل کے دوران میں جو غلہ ضائع ہوا اس کی مجموعی مقدار (۲۰) ہزار روپے ہے۔

بعض اجناس بعض موسموں میں سوکھ جاتے ہیں اور ان کی مقدار گھٹ جاتی ہے۔ اس نوعیت کے نقصانات مختلف اضلاع میں مختلف ہیں۔ بعض مقامات میں کوئی نقصان نہیں ہوا اور بعض جگہ فی پلہ (۲) سیر اناج سوکھ کی وجہ سے کم ہو گیا ہے۔ اگر سال گذشتہ کے ذخائر یعنی (۲۰) لاکھ پلے میں جو نقصانات ہوئے ان کا تخمینہ کیا جائے تو حسب ذیل مدات برآمد ہوتے ہیں۔

(۱) وہ غلہ جو انسانی خوراک کے قابل نہیں رہا (۲۰) ہزار روپے
(۲) کیڑوں کی وجہ سے نقصانات (۱۲) ہزار روپے
(۳) چوہوں کی وجہ سے نقصانات (۲) ہزار ۔
(۴) دوران حمل و نقل کے نقصانات (۲۰) ۔ ۔
(۵) غلہ کے سوکھ جانے کی وجہ سے نقصانات (۴۱) ۔

میزان (۹۵) ہزار روپے

سنہ ۱۳۶۲ف سے غلہ اچھی [illegible] اور [illegible] زیر استعمال نہیں آیا۔ اس کے علاوہ حفاظتی تدابیر بھی اختیار کی جا رہی ہیں اور قوی توقع ہے کہ امسال کے نقصانات سال گذشتہ کے مقابل میں بہت کم ہوں گے۔

سوال نمبر (۷) کھچڑی چاول اور گیہوں کس قیمت پر بازار سے خریدا گیا اور کس قیمت پر لیوی میں لیا گیا؟

سوال نمبر (۸) اس کی کل کتنی مقدار حاصل ہوئی اور کتنی فروخت ہوئی؟

سوال نمبر (۹) اس خرید و فروخت کے نرخ میں کتنا فرق تھا اور کتنا نفع حاصل ہوا؟

جواب نمبر (۷) تا (۹) گیہوں تین ذریعوں پر خریدا گیا یعنی لیوی، خوش خریدی اور سندھ و پنجاب نیز آسٹریلیا سے درآمدات اور آمد کئے ہوئے گیہوں کی قیمت برآمد کنندہ ملک میں (۱۰) تا (۱۲) روپیہ کلدار فی من تھی۔ حیدرآباد کے گوداموں میں داخل ہونے تک اس گیہوں کی لاگت (۲۰) روپیہ (۸) آنے فی پلہ پڑی۔ لیوی کا گیہوں اوسطاً (۲۳) روپیہ فی پلہ کے حساب سے خریدا گیا اور خوش خریدی میں اس کی قیمت (۲۴) تا (۲۶) روپیہ فی پلہ رہی۔ اس طرح لیوی اور خوش خریدی کے ذریعہ جو گیہوں حاصل کیا گیا اس کی اوسط قیمت (۲۳) روپیہ (۱۰) آنے فی پلہ رہی اور حیدرآباد کے گوداموں میں داخل ہونے تک (۲۴) روپیہ (۷) آنے فی پلہ ہو گئی۔ اگر مختلف ذریعوں سے خریدے ہوئے گیہوں کی اوسط قیمت نکالی جائے تو (۲۴) روپیہ (۱۰) آنے فی پلہ پڑتی ہے۔ راشن بندی کے دوکانداروں کو جس قیمت سے گیہوں فروخت کیا جا رہا ہے وہ (۲۶) روپیہ فی پلہ ہے۔ گویا کارپوریشن کو گیہوں پر (۱۰) آنے فی پلہ نفع مل رہا ہے۔

سنہ ۱۳۶۲ف کی ششماہی اول کے دوران میں شہر حیدرآباد میں (۱۰۵) ہزار (۱۰۰) روپے گیہوں فروخت ہوا جس پر (۲۲) ہزار منافعہ کارپوریشن کو وصول ہوا۔

لیوی کے تحت کھچڑی دھان کی قیمت (۱۳) روپیہ (۸) آنے فی پلہ اور خوش خریدی کے تحت (۱۵) روپیہ فی پلہ کاشتکار کو ادا کی گئی۔ خریداری کا کمیشن شامل کرنے کے بعد دھان کی اوسط قیمت (۲۳) روپیہ (۰) آنے فی پلہ پڑتی ہے۔ دھان کو چاول بنا کر شہر کے گوداموں میں داخل کرنے تک کھچڑی چاول کی قیمت (۳۳) روپیہ (۱۱) آنے فی پلہ ہوتی ہے۔ یہ چاول راشن بندی کے دوکانداروں کو (۱۵) روپیہ (۵) آنے فی پلہ کے حساب سے فروخت کیا جا رہا ہے۔ اس طرح (۱) روپیہ (۱۱) آنے فی پلہ کا منافعہ کارپوریشن کو مل رہا ہے۔ سنہ ۱۳۶۲ف کی چھ ششماہی کے دوران میں شہر حیدرآباد میں (۱) ہزار (۲۰) روپے کھچڑی چاول فروخت ہوا۔ جس پر کارپوریشن کو (۵۰) ہزار کا منافعہ وصول ہوا۔ شہر حیدرآباد میں گیہوں اور کھچڑی چاول کی فروخت پر کارپوریشن کو کل ایک لاکھ (۰۰) ہزار کا نفع حاصل ہوا۔ اسی دوران میں ایک لاکھ (۴۳) ہزار پلے موٹا چاول فروخت کیا گیا جس پر کارپوریشن کو فی پلہ ایک روپیہ (۸) آنے نقصان اٹھانا پڑا۔ چنانچہ حال ہی میں اجناس کی قیمتوں پر نظر ثانی کرنے کے لئے جو کمیٹی بنائی گئی تھی اور جس میں وہ [illegible] اصحاب (یعنی مرزا مقصود احمد خان صاحب اور سیٹھ [illegible] صاحب) بھی شامل تھے اس کمیٹی نے اس بیان کو اچھی طرح جانچ لیا ہے کہ موٹے چاول کی فروخت پر کارپوریشن کو فی پلہ ایک روپیہ (۶) آنے کا نقصان ہوا۔ اس نقصان کی مجموعی مقدار ایک لاکھ (۵۵) ہزار ہے۔ اسی دوران میں شہر حیدرآباد میں ایک لاکھ (۳۷) ہزار پلے جوار فروخت ہوئی جس پر فی پلہ (۱۳) آنے نقصان ہوا۔ اس نقصان کی تصدیق بھی کمیٹی مذکور [illegible] ہے۔ ان نقصانات کی مجموعی مقدار ایک لاکھ (۵۱) ہزار جوار اور موٹے چاول کی مجموعی مقدار (۲) لاکھ (۴۶) ہزار ہوئی۔ اس کے مقابلے میں کھچڑی چاول اور گیہوں کے منافع کی مقدار کل ایک لاکھ (۰۰) ہزار تھی۔

یہاں اس امر کی صراحت ضروری ہے کہ جوار اور موٹے چاول کی قیمت فروخت کے تعین میں کارپوریشن نے اپنی حقیقی قیمت خرید کو بنیاد قرار دیا۔ لیوی کی قیمت اور بازار کی قیمت کا اوسط [illegible] پیش نظر نہ رکھا گیا [illegible] دونوں ذریعوں سے حاصل ہوئی [illegible] نہیں کیا جا سکتا کہ کارپوریشن کی قیمت فروخت اس قیمت سے [illegible] کیونکہ تاجر اپنا اپنا مال بازار کے نرخوں پر خریدتا [illegible] کو وہ سہولت حاصل نہ ہوتی جو لیوی کی وجہ سے حکومت کو حاصل ہے۔ اب رہے اخراجات گودام، حمل و نقل وغیرہ تو یہ اخراجات بھی ان اخراجات سے [illegible] جو تاجر طبقہ [illegible] بازار کے [illegible] زمانہ [illegible] تعین سے قبل حکومت نے تاجروں سے دریافت کیا تھا کہ ان کے متفرق اخراجات فی پلہ کیا ہوتے ہیں۔ انہوں نے جو اعداد بتلائے تھے وہ کارپوریشن کے موجودہ اخراجات سے زائد تھے۔ اسی طرح جب دالوں اور دیگر اجناس کی برآمد کے سلسلہ میں تاجروں سے [illegible] مناسب [illegible] تعین کرنا تاجروں نے اپنے اخراجات کا جو تخمینہ پیش کیا تھا وہ بھی کارپوریشن کے اخراجات کے موجودہ شرح سے زائد تھے۔

سوال نمبر (۱۰) [illegible] حکومت کا [illegible] ہے کہ کارپوریشن کے ذریعہ سے کوئی منافع حاصل نہ کیا جائے اور [illegible] کارپوریشن کے کاروبار کے تفصیلی حسابات پیش نہیں کئے جاتے اور [illegible] کئے جاتے ہیں؟

جواب نمبر (۱۰) حیدرآباد کمرشیل کارپوریشن کے سال گذشتہ کے حسابات یعنی اس سال کے جو اردی بہشت سنہ ۱۳۶۱ف میں ختم ہوا مرکزی مشاورتی کمیٹی کے اجلاس میں سابق صدر المہام بہادر [illegible] صاحب [illegible] کر دئے تھے۔ اس کے بعد کے حسابات یعنی وہ سال جو اردی بہشت سنہ ۱۳۶۲ف میں ختم ہوا زیر ترتیب ہیں اور بعد تنقیح و منظوری مجلس نظما [illegible] مجلس [illegible] پیش کئے جائیں گے۔

سوال نمبر (۱۱) سنہ ۱۳۶۱ف میں کارپوریشن نے لیوی کا مال کس نرخ سے خریدا اور اضلاع میں خصوصاً اضلاع [illegible] محبوب نگر اورنگ آباد [illegible] میں کس نرخ سے فروخت کیا؟

جواب نمبر (۱۱) [illegible] لئے مختلف ہیں اور یہ ایک کتاب کی صورت میں شائع ہو چکی ہیں۔ سنہ ۱۳۶۱ف کے آغاز میں اجناس کے جو بازاری نرخ مقرر ہوئے ان نرخوں سے لیوی [illegible] کم [illegible] کم تھے۔ اس فرق کے تعین میں مجلس نظما کے غیر سرکاری ارکان یعنی مسٹر [illegible] طیب جی اور سیٹھ [illegible] صاحب [illegible] کا مشورہ بھی شامل تھا۔ اس دو روپیہ کے فرق میں لیوی کی خریداری کا [illegible] کمیشن گوداموں کا کرایہ حمل و نقل کے اخراجات وغیرہ شامل تھے۔ اس وقت حیدرآباد کی [illegible] کارپوریشن کی قیمت فروخت [illegible]

فوجی بھرتی — کھانا اور کپڑا

بقیہ سلسلہ صفحہ (۵)

۔۰۔ کھانا پکانے میں صفائی کا خاص طور پر لحاظ رکھا جاتا ہے۔ میں نے جن باورچی خانوں کو دیکھا ہے وہ غیر معمولی صاف تھے اور ان میں بہت کم مکھیاں تھیں۔ مکھیوں کو اندر آنے سے روکنے کے لئے ان باورچی خانوں کے دروازوں اور کھڑکیوں کو جال لگی ہوئی ہے۔ تاہم اگر دروازہ کھلتے وقت چند مکھیاں اندر آجائیں تو انہیں بہت جلد ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ غذا کو ہمیشہ صاف کپڑے سے ڈھانکا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے مکھیوں کو اس پر بیٹھنے کا موقع نہیں ملتا۔ باورچی ستھرا لباس پہنتے ہیں اور انہیں اپنے ہاتھ صاف رکھنے پڑتے ہیں اس کامل صفائی کی وجہ سے ہمارے سپاہی تندرست و توانا اور پیچس اور اسہال سے محفوظ ہیں۔ ظاہر ہے کہ فوجی باورچی خانوں میں کھانا نہیں کھا سکتے کیونکہ وہاں اس کی گنجائش نہیں ہوتی۔ کھانے کے لئے علحدہ کمرہ ہوتا ہے اس کمرہ کو بھی بڑی احتیاط کے ساتھ صاف رکھا جاتا ہے۔

۷۔ فی الحال غذا کے متعلق اس قدر معلومات کافی ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ کو حیرت نہ ہونی چاہئے کہ رنگروٹ اپنے گاؤں سے فوج میں بھرتی ہو کر آتے ہیں تو دبلے پتلے اور کمزور ہوتے ہیں لیکن جب رخصت پر اپنے وطن کو واپس جاتے ہیں تو ہمیشہ مضبوط اور طاقتور ہو گئے ہیں۔ آئیے اب رنگروٹ کو فراہم کئے جانے والے کپڑوں کا جائزہ لیں۔ یہاں میں اس کے لباس کی پوری تفصیل بیان کر کے آپ کو پریشان نہ کروں گا۔ بلکہ یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ یہ مختلف ... کس طرح دیا جاتا ہے کیونکہ اس کے فوج میں شریک ہوتے ہی اسے تمام چیزیں مہیا نہیں کی جاتیں بلکہ رفتہ رفتہ ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے دی جاتی ہیں۔

۸۔ جب پہلی مرتبہ وہ فوج میں داخل ہوتا ہے تو اسے ایک کمبل ایک تولیہ دری ایک لوٹا اور کھانا کھانے کے لئے ایک تھالی اور برتن دیا جاتا ہے۔ یہ چیزیں اسے پہلی رات گزارنے کے لئے کافی ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کی بدولت وہ کھانا کھا سکتا ہے اور اپنے آپ کو گرم رکھ سکتا ہے اس کے بعد بہت جلد ممکن ہوا تو کام چلانے کے لئے کپڑے دے جاتے ہیں۔ شروع میں اسے دو نیکر دو بنیان یا تین جوڑ اور... ایک جوڑ اور چپل ایک جوڑ مہیا کی جاتی ہے۔ یہ چیزیں اسے تربیت شروع کرنے کے لئے کافی ہیں ساتھ ہی اب اسکے پاس کپڑوں کی ایک زائد جوڑ رہتی ہے تاکہ وہ اپنے کپڑوں کو ہمیشہ صاف رکھ سکے۔ بعض دستوں میں شروع سے وردی دے جاتے ہیں۔ جنہیں وہ شروع میں پریڈ کے وقت پہنتا ہے اس کے علاوہ اسے ایک پگڑی یا ٹوپی بھی دی جاتی ہے اور سب سے زیادہ اہمیت رکھنے والی چیز جوتے فراہم کی جاتی ہے بجز وان ہے کیونکہ یہ چیز بھی اتنا خطرناک دشمن ہوتا ہے جتنا کہ جاپانی ہیں۔

اس کے بعد اس "منفی" کو ... پہلے اس کے دو جوڑ دیئے جاتے ہیں تاکہ اس کی فوجی وردی جلد خراب نہ ہونے پائے۔ مختلف رجمنٹوں اور دستوں کی سختی مختلف ہوتی ہے۔ ایک قسم کی وردی ہوتی ہو گی، آمد ہونے کے علاوہ سپاہی کو چست و چالاک رکھتی ہے اور جسے پہن کر وہ بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ میں سپاہی کے سامان کے تھیلے کا ذکر بھول گیا جس میں وہ اپنے کپڑے رکھتا ہے نیز اسے "دری" بھی دی جاتی ہے یہ ایک قسم کی پنیاں ہوتی ہے جو نہایت مفید ہونے کے ساتھ ساتھ سپاہیوں میں بڑی مقبول ہے اس کے علاوہ اسے بوٹ کے تلے کے موزے اور بوٹ کے اوپر پہننے کے لئے کپڑا دیا جاتا ہے تاکہ کیچڑ اور بوٹ اندر نہ گھسنے پائے۔ پیر تھے رجمنٹ کا نمبر جو وہ اپنے کاندھے پر لگاتا ہے جس کا ڈبہ جس میں وہ اس وقت اپنی غذا رکھ کر ساتھ لیتا ہے جب اسے کافی مدت کے لئے اپنے مقام رہائش سے دور رہنا پڑے اور اسے دانی بھی اسے فراہم کی جاتی ہے آخرالذکر میں سوئی تاگہ گھنڈیاں وغیرہ ہوتی ہیں تاکہ فوجی اپنے کپڑوں کو آپ درست کر سکے اگر زیادہ سینے کی ضرورت ہو تو درزی کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں مگر فوجی اپنے گھنڈیاں آپ ٹانک لیتے ہیں۔

تربیت کے آخری زمانہ میں جب فوجی اپنے کپڑوں کی دیکھ بھال کرنے کے قابل ہو جاتا ہے تو اس کی وردی کا بقیہ حصہ مہیا کیا جاتا ہے اس میں دو فوجی قمیص دو پتلون ایک نیکر (اگر اس کے پاس پہلے سے موجود نہ ہو) فلالین کی ایک قمیص اور ایک سویٹر شامل ہے۔ اگر موسمی حالات کے پیش نظر ضرورت پڑے

اِعلان

(۳۲۲) **محکمہ معتمد سرکار عالی صیغہ رسد** مورخہ ۲۲ شہریور ... ف

بہ نفاذ ان اختیارات کے جو تحت شرط مندرجہ دفعہ (۹) ضمن (۲) دستور العمل انسداد ذخیرہ بندی و نفع اندوزی بابتہ ۱۳۵۲ف مجھے حاصل ہیں۔ بحوالہ فقرہ (ب) ضمن مذکور بیرون ہند ممالک سے درآمد شدہ مصنوعی ریشمی پارچہ کی انتہائی قیمت فروخت کے تعین کی غرض سے قیمت درود بہ بندرگاہ (Landed Cost) پر حسب ذیل اضافہ منظور کرتا ہوں۔

(۱) درآمد کنندہ تاجر کسی دوسرے تاجر کو فروخت کرنے کی صورت میں قیمت درود بہ بندرگاہ کا (۱۰) فیصد اور محصول کروڑگیری۔

(۲)۔ کوئی اور تاجر کسی دوسرے تاجر کو فروخت کرنے کی صورت میں قیمت درود بہ بندرگاہ کا (۱۵) فیصد اور محصول کروڑگیری۔

(۳) کسی دوسری صورت میں قیمت درود بہ بندرگاہ کا (۲۵) فیصد اور محصول کروڑگیری

نوٹ:۔ مصرحہ صدر فی صد منافعہ میں اخراجات حمل و نقل و پیاکنگ شریک ہیں اس لئے ان کو مرسل الیہ برداشت کرے گا۔ فقط

منجانب معتمد رسد

...ساتی پہلے ہی دی جاتی ہے۔ یہ تمام لباس سب سے
عمدہ اور بہترین کپڑے سے جو خاکی رنگ کا ہوتا ہے تیار
کیا جاتا ہے۔ یہ جسم پر ٹھیک بیٹھتا ہے اور دیکھنے میں
بھلا لگتا ہے اور آرام دہ ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ لباس
قیمتی ہوتا ہے مگر فوجیوں کو مفت دیا جاتا ہے۔ بطور
پر ہماری فوج کے سپاہی کو اسی طرح بہترین کپڑے ملتے
ہیں جس طرح انہیں بہترین غذا ملتی ہے۔ یہ تمام چیزیں
ہندوستان کے لئے ٹھیک ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ ہمارے
سپاہیوں کو کسی بہت سرد مقام پر جانا پڑے بیکار ثابت
ہوگا۔ جو ہندوستان کے لئے موزوں ہے ضرورت کے
وقت انہیں دبیز کپڑے دئے جاتے ہیں جن میں لڑائی
کے موقع پر پہننے کے دبیز بلاؤز اور پتلون اونی اور تنگ
پاجامے فلالین کے زائد قمیص زائد کمبل اور ایک ایسی
اونی ٹوپی شامل ہے جو سرد سے سرد موسم میں بھی سر کو گرم
رکھتی ہے۔ لباس کی فراہمی میں مقام اور نوعیت کا بھی
لحاظ رکھا جاتا ہے۔ مثلاً برما میں سپاہی کو سبز قمیص پتلون
اور پگڑی دی جاتی ہے اور اگر اسے کل نقل کی موٹروں
میں کام کرنا پڑے تو موٹی چھینٹ کے دو جوڑے
دئے جاتے ہیں۔ جنہیں وہ اپنے دوسرے کپڑوں پر
بھی پہن سکتا ہے۔ تاکہ انہیں صاف رکھا جائے اور
اگر اس کے کپڑے پھٹ جائیں تو اسے نئے کپڑے مفت
فراہم کئے جاتے ہیں۔

۱۱۔ اس طرح ہماری فوج کو اس غذا اور کپڑے
سے کہیں زیادہ اچھی غذا اور کپڑا ملتے ہیں جو وہ فوج میں
شریک ہونے سے پہلے کھاتا یا پہنتا تھا۔ پھر اس پر طرفہ
یہ کہ اسے ان چیزوں کی قیمت دینی نہیں پڑتی۔
پچھلی مرتبہ میں نے آپ سے جس تنخواہ اور
الاؤنس کا ذکر کیا تھا اس میں کی ایک پائی بھی ان
چیزوں پر خرچ نہیں ہوتی جن کا میں نے ابھی ذکر
کیا ہے۔ مجھے توقع ہے کہ آئندہ میں ایسی مزید چیزوں
کی تفصیلات آپ کو بتاؤں گا جو اسے مفت ملتی
ہے اور جن کی اسے فوج میں نہ ہونے کی صورت میں
قیمت ادا کرنی پڑتی۔

سان فرانسسکو کانفرنس نے دول عظمیٰ کی سامراجیت کو مستحکم کر دیا؟

بقیہ سلسلہ صفحہ اول

...کے قابل ہے جس کو دنیا برقرار رکھنا چاہتی ہے یعنی ایسا
نظام جو انصاف اور انسانی حقوق اور آزادی کی بنیاد
پر قائم ہو اقوام اور افراد کی حمایت حاصل کر سکتا ہے۔
انصاف خود فیصلوں سے بالاتر ہوتا ہے اس کی پیمائش
مسلح طاقت سے نہیں کی جا سکتی۔ آزادی کے معنے ہر ایک

اعلان

نشان (۳۲۵) **محکمہ معتمد سرکار عالی صیغہ رسد** مورخہ ۲۹ شہریور ۱۳۵۴ف

بہ نفاذ ان اختیارات کے جو تحت ضمن (۲)، دفعہ (۹)، دستور العمل انسداد ذخیرہ بندی و نفع اندوزی بابت ۱۳۵۴ف مجھے حاصل ہیں بیرون ہند ممالک سے درآمد شدہ اشیاء سنگھار (Imported Toilet Articles) کی انتہائی قیمت فروخت کے تعین کی غرض سے جو کوئی تاجر تحت فقرہ (ب)، ضمن مذکور، عائد کر سکے گا قیمت ورود بہ بندرگاہ (Landed Cost) پر حسب ذیل اضافہ منظور کرتا ہوں۔

(۱) درآمد کنندہ تاجر کسی دوسرے تاجر کو فروخت کرنے کی صورت میں قیمت ورود بہ بندرگاہ کا (۱۵) فیصد اور محصول کروڑگیری

(۲) کوئی اور تاجر کسی دوسرے تاجر کو فروخت کرنے کی صورت میں قیمت ورود بہ بندرگاہ ۲۲½ فیصد اور محصول کروڑگیری

(۳) کسی دوسری صورت میں قیمت ورود بہ بندرگاہ کا (۵۰) فیصد اور محصول کروڑگیری۔

توضیح۔ اعلان ہذا ان اشیاء سنگھار سے متعلق ہے جن کی صراحت اعلان محکمہ رسد نشان (۳۲۲) مورخہ ۲۲ شہریور ۱۳۵۴ف میں نہیں کی گئی ہے۔ فقط

منجانب معتمد رسد

کے حقوق کا احترام ہے۔ آزادی کے یہ معنے نہیں کہ بڑی
قوموں کے خیالات کو چھوٹی قوموں کے سر تھوپا جائے
اور نہ یہ معنے ہیں کہ اقلیتوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ
اکثریتوں کے احکام کی تعمیل کریں۔ آزادی کے معنے
ایک دوسرے کے حقوق کا احترام ہے۔ سان فرانسسکو
میں جب کسی مسئلہ پر اختلاف ہوا تو اس کا تصفیہ کسی
اخلاقی اصول کی بنا پر نہیں بلکہ دول عظمیٰ کی مرضی کے
مطابق کیا گیا۔ گویا انصاف، حق اور آزادی پر
دول عظمیٰ کی مرضی غالب رہی۔

شملہ کانفرنس کی ناکامی کے اسباب

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۲)

کا نتیجہ۔ وائسرائے نے یہ لیگ کے اس مطالبہ کو کہ
پانچوں نشستیں لیگ کو دیں اور یہ کانگریس کی یہ خواہش
پوری کی کہ ایک یا دو مسلم نشستیں کانگریسی مسلمانوں کو
دی جائیں۔ ویول نے مولانا آزاد، صدر کانگریس
کا نام بھی شامل نہیں کیا اور ان کی جگہ ایک غیر لیگی
مسلمان کو لے لیا جو حکومت کا ممبر تھا۔ لیگ جیسی
کہ کانگریس یونینسٹ پارٹی جو کانگریس اور لیگ دونوں

سے الگ الگ مول تول کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔
جناح صاحب نے ویول کی یہ فہرست نامنظور کر دی۔

عالمی جماعت کی کامیابی پر ہندوستان کا مستقبل

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۳)

لیگ ہی ان کی نمائندہ ہے بلکہ یہ ووٹ پاکستان کے لئے
بھی ہوں گے۔ کانگریسی حلقے سمجھتے ہیں کہ پنجاب اور صوبہ سرحد کے
ووٹ مسٹر جناح کے خلاف ہوں گے (کینیڈین پریس)

مطبوعہ ... پریس چار مینار میں طبع ہو کر دفتر ملک ... سے شائع ہوا۔

روئداد مرکزی مشاورتی مجلس اغذیہ

بقیہ سلسلہ صفحہ (۵)

اور بازار کی انتہائی قیمتیں یکساں نہیں بلا لحاظ اس امر کے کہ رقبہ فاضل پیداوار ہے یا خسارہ کا۔

اس طریقہ کار سے جو دشواری پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ غلہ کا تھوک بیوپار تقریباً ختم ہو گیا کیونکہ تھوک فروش مجبور تھا کہ بازار کے انتہائی نرخوں پر خریدے اور اسی دام پر مال فروخت کرے۔ چونکہ حکومت کا یہ منشا نہیں ہے کہ غلہ کی تجارت مسدود ہو اس لئے جب تاجروں اور کاشتکاروں کی متعدد درخواستوں کی بنا پر نرخوں میں اضافہ ہوا تو پیداکنندہ علاقوں میں تین قسم کی انتہائی قیمتیں مقرر ہوئیں۔ ایک کاشتکار کی قیمت، دوسری تھوک فروش کی اور تیسری چلر فروش کی۔ قیمت کاشتکار کی قیمت سے دو روپیہ زائد ہے اور یہ دو روپیہ کا فرق اس غرض سے رکھا گیا ہے کہ تھوک فروش اس فرق سے اپنا منافع بھی حاصل کرے اور اپنے اخراجات بھی نکال لے۔ چلر فروش کی قیمت تھوک فروش کی قیمت کی ایک روپیہ زائد ہے اور یہ چلر فروش کا منافع ہے۔ تعلقدار صاحبان کو اختیار دیا گیا ہے کہ اگر ضرورت ہو تو دو روپیہ اور ایک روپیہ کے فرق کو مقامی حالات کے لحاظ سے گھٹا سکتے ہیں لیکن اس میں اضافہ نہ ہو سکے گا۔

ان جدید قیمتوں کے نفاذ کے بعد پیداکنندہ علاقوں میں کارپوریشن کی قیمت فروخت تھوک فروشی کی قیمت کے مماثل رہی گئی۔ اس کی وجہ سے لیوی کی قیمت خرید اور کارپوریشن کی قیمت فروخت میں تقریباً (۳ تا ۵) روپیہ فی پلہ کا فرق ہو گیا اور وہ غالباً اس وجہ سے ہوا کہ بازار میں تجربہ تھا کہ ایک یا دو روپیہ فی پلہ کے اضافہ سے کارپوریشن کی جانب سے بچا گیا۔ اگر کارپوریشن اپنی قیمت فروخت کو گھٹاتا تو اندیشہ تھا کہ تاجر کارپوریشن کا اناج خود خرید کر بازاری نرخوں پر اس کو دوبارہ کارپوریشن کے ہاتھ فروخت کرتا یعنی ان نرخوں پر کہ جن پر کہ کارپوریشن خود مال خرید کرتا ہے۔ دوسری دقت یہ ہوتی کہ غلہ کی تجارت مسدود ہو جاتی کیونکہ کارپوریشن سے مسابقت کرنے میں تھوک فروش کو نقصان ہوتا اور نتیجتاً تھوک فروش اس تجارت سے دست کش ہو جاتا۔ ان امور کے باوجود جن علاقوں میں بازار کی قیمتیں سرکار کی مقررہ قیمتوں سے کم ہیں وہاں کارپوریشن نے تعلقدار صاحبان کی توجہ دلا کر اپنی قیمتیں بھی گھٹائی ہیں۔

اب جبکہ حیدرآباد کمرشیل کارپوریشن نہایت خطیر ذخائر کا مالک ہے اور غلہ کی تجارت پر اس کو قابو حاصل ہو چکا ہے اس لئے اس ذیلی مجلس کی سفارش پر جس کا ذکر آگے آ چکا ہے یہ طے کیا گیا کہ کارپوریشن کی قیمت فروخت اور لیوی کی قیمت خرید کے درمیان تین روپیہ فی پلہ سے زائد فرق نہ رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لیوی کے غلہ کی حد تک کارپوریشن کے حقیقی اخراجات نکل آئیں گے لیکن بازار میں خریدے ہوئے غلہ کی حد تک کارپوریشن کو تھوڑا سا نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔

تصریح بالا ان علاقوں سے متعلق ہے جہاں غلہ فاضل مقدار میں پیدا ہوتا ہے لیکن خسارے کے علاقوں میں جہاں حکومت کو غلہ پہنچانا پڑتا ہے قیمت فروخت میں کوئی کمی ممکن نہیں۔ البتہ یہ تجویز حکومت کے پیش نظر ہے کہ ایسے علاقوں کی حد تک لیوی کی قیمتوں میں اضافہ کر دیا جائے۔ گو اس امر کا تعین آسان نہیں کہ کون علاقے فاضل پیداوار کے علاقے سمجھے جائیں اور کون علاقے قلت رسد کے کیونکہ یہ سب کچھ موسمی حالات پر منحصر ہے۔

قیمتوں کے مسئلہ پر نظر ثانی کرنے کے لئے

حکومت سرکار عالی نے جیسا کہ اوپر بتلایا گیا ہے ایک کمیٹی مقرر کی تھی جس میں معتمد رسد، نائب مشیر مالیات، مینجنگ ڈائرکٹر حیدرآباد کمرشیل کارپوریشن، چیف مارکٹنگ آفیسر اور تاجروں کے نمائندے یعنی مرزا محمود احمد خان صاحب اور سیٹھ بنکٹ لال صاحب بدرکن شریک تھے۔ اس کمیٹی کی سفارشات کو حکومت نے منظور فرما لیا ہے جو عنقریب نافذ ہوں گی۔

سوال نمبر (۱۲) کیا یہ واقعہ ہے کہ بعض ایسے اہم اور اصولی امور کا تصفیہ مجلس عاملہ میں کرا لیا جاتا ہے جن کو مرکزی مجلس میں پیش ہونا چاہئے کیا یہ صحیح ہے کہ (۳۵) ہزار ٹن اجناس کی برآمد کا فیصلہ اسی طرح کیا گیا اور کیا یہ صحیح ہے کہ شکر کی راشن بھی نہ صرف مرکزی مجلس کے بغیر مشورہ کے بلکہ بلا اطلاع مجلس عاملہ کم کیا گیا!

جواب نمبر (۱۲) حکومت سرکار عالی کا یہ غور کردہ فیصلہ ہے جس کو غیر سرکاری ارکان نے بھی قبول اور تسلیم کیا ہے کہ ایسے تمام ضروری اور اہم مسائل جو مرکزی مشاورتی مجلس اغذیہ کے انعقاد کا انتظار نہیں کر سکتے مجلس عاملہ میں پیش کئے جائیں۔ اس فیصلہ کی تعمیل میں یہ اہم مسئلہ مجلس عاملہ میں پیش کر دیا جاتا کہ اور مرکزی مشاورتی مجلس اغذیہ کے انعقاد کا انتظار کیا جاتا۔ مجلس یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ اس طریقہ عمل میں قابل اعتراض بات کونسی ہے۔

جب حکومت سرکار عالی نے (۳۰) ہزار ٹن اجناس خوردنی برآمد کرنے کا ارادہ کیا تھا تو اس ارادہ کو روبہ عمل لانے سے قبل مرکزی مجلس اغذیہ سے مشورہ کر لیا گیا تھا۔ وسط اسفندار میں حکومت نے محسوس کیا کہ قابل برآمد غلہ کی مقدار (۳۵) ہزار ٹن تک بڑھائی جا سکتی ہے۔ یہ مسئلہ مرکزی مجلس میں اس لئے پیش نہ ہو سکا کہ اس دوران میں مرکزی مجلس کا کوئی اجلاس منعقد نہیں ہوا۔ شکر کی راشن گھٹانے کا مسئلہ محتاج مشورہ نہ تھا کیونکہ بودھن کے کارخانہ شکر کی پیداوار میں تخفیف کی وجہ حکومت کے لئے مجبوراً اس میں تخفیف کرنے کے سوا کوئی اور چارہ ہی نہ تھا۔ ماہانہ (۱۶) ہزار تھیلوں کے مقابل میں کارخانہ سے صرف (۱۲) ہزار تھیلے مل رہے ہیں اس لئے ممالک محروسہ کے ہر حصہ میں اسی تناسب سے تخفیف کر دی گئی۔

سوال نمبر (۱۳) کیا یہ صحیح ہے کہ مرکزی مجلس کے مشورہ کو قبول فرما کر جو تحقیقاتی کمیٹی بدانتظامی کی تحقیقات کرنے کے لئے بنائی گئی تھی اس میں بعد کو بلا اطلاع مرکزی مجلس اور بلا مشورہ مجلس عاملہ ترمیم کر دی گئی اور بجائے ایک کے تین کمیٹیاں بنا دی گئیں؟

جواب نمبر (۱۳) یہ صحیح نہیں ہے کہ انسداد رشوت ستانی کی مجلس مرکزی مشاورتی مجلس اغذیہ کے مشورہ کی بنا پر قائم ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ معزز صدر المہام بہادر مال نے بطور خود اس تجویز کو کیا۔ یہ صحیح ہے کہ ابتداً ایک ہی کمیٹی کا تقرر متصور تھا۔ لیکن بعد میں اس ایک کمیٹی کو تین مجالس میں تقسیم کر دیا گیا تاکہ کام تقسیم ہو جائے اور جلد انجام پائے۔ سوال نمبر (۱۴) اگر ان کمیٹیوں نے کام کیا ہے تو ان کی رپورٹیں کیوں مرکزی مجلس کے سامنے پیش نہیں کی گئیں!

جواب نمبر (۱۴) کسی رپورٹ کے وصول ہونے کے وصول ہونے کے بعد مرکزی مشاورتی مجلس کا پہلا اجلاس آج ہی منعقد ہو رہا ہے۔

سوال نمبر (۱۵) اگر یہ رپورٹیں وصول ہو گئی ہیں تو ان کے مندرجات کیا ہیں اور کمیٹیاں کس نتیجہ پر پہنچی ہیں اور انھوں نے کیا سفارش کی ہیں۔

سوال نمبر (۱۶) اگر کمیٹیوں کا کام ہنوز نہیں ہوا ہے تو کیا رائے عامہ کو مطمئن کرنے کے لئے مناسب نہ ہوگا کہ جس حد تک تحقیقات کی جا چکی ہے اس حد تک اراکین کے بیانات مرکزی مجلس کے سامنے پیش کئے جائیں۔

جواب نمبر (۱۵) و (۱۶) مرکزی مشاورتی مجلس اغذیہ کے اجلاس منعقدہ ۱۶ آبان ۱۳۵۵ف میں معزز صدر المہام بہادر مال نے اس امر پر آمادگی ظاہر کی تھی کہ وہ مجلس کے غیر سرکاری ارکان کی ذیلی مجالس کو اس غرض سے اضلاع کے دورہ کا موقع دیں گے کہ یہ کمیٹیاں رشوت ستانی کے متعلق رعایا کی شکایات کی دریافت کریں اور حکومت کے پاس رپورٹ پیش کریں۔ چنانچہ ۱۵ اردے ۱۳۵۵ف کو صوبہ دار صاحبان اسمات کے نام کمیٹیوں کے تقرر اور ان کے لائحہ عمل سے متعلق مراسلے جاری کئے گئے۔